فارسی شاعری میں عاشورہ اور انقلاب حسینی کی جھلک

گروہ مؤلفین: سید حسین سیدی
ہوشنگ استادی
مترجم: مولانا اطہر عباس

عربی و فارسی ادب میں عاشورائی شعر کا مقام

شیعی ادب کو ایک اثر گزار تاریخی حادثہ کے عنوان سے فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ اس سے اغماض و چشم پوشی ممکن ہے۔ اس واضح حقیقت کی بین دلیل تاریخ و تراجم اور اعلام کی کتابوں میں پائے جانے والے بے شمار قرائن، دیوان شعر، ادبی قطعات، نیز بے شمار شعراء اور توانا ادبیات ہیں۔ شیعی شعر نے بھی عربی و فارسی ادب میں ایک ممتاز اور نمایاں مقام حاصل کرنے کے ساتھ دیرپا اور جاوداں آثار کی تخلیق کرکے، افکار و نظریات کو ایک رخ دے کر ایک پرخروش، ولولہ انگیز اور نئی تحریک کی داغ بیل ڈالی ہے، اس تحریک کی تشکیل کی کیفیت کا تاریخ اسلام اور تاریخ شیعہ میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے ایک اٹوٹ رشتہ ہے۔ بلا شک و شبہ قیام عاشورہ کے بعد شیعی شعر نے ایک دوسرے میدان میں قدم رکھا اور مرثیہ سرائی نے ایک حماسی۔ آئینی۔ شکل اختیار کی اور حماسی و عاشورائی شاعری اس کی کامل تجلی اور ادبی و ہنری خوبصورت ترین جلوہ قرار پائی۔

اس مقالہ میں ایک تطبیقی نگاہ سے تاریخی، سیاسی، اجتماعی، تمدنی اور ادبی عناوین حماسی (عاشورائی مذہب) شعر کی تشکیل اور اس کی لفظی و معنوی ساخت وساز کے دور میں عربی و فارسی ادب میں تبیین کئے جائیں گے اور اس کے بعد استمرار ولایت و غدیر، تولا و تبرا، ظلم ستیزی، عدالت محوری، جہاد و شہادت اور اسلامی وانسانی اہداف و مقاصد جیسے عاشورائی شعری اقدار کی جھلکیاں تامل برانگیز اور نصیحت آمیز نمونوں کے ساتھ دکھائی جائیں گی اور مقالہ شعری اغراض، مضامین، لفظی و معنوی ساخت وساز اور اس کی ادبی اور ارزشی قدروں کے نتائج کی تحقیق پر اختتام پذیر ہوگا۔

عربی ادب میں حماسی (عاشورائی مذہب) شعر کے تاریخی ادوار

زمانی لحاظ سے عاشورائی شعر کو عربی ادب میں تین معین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ا۔ائمہ [علیہم السلام]کا دور جس کا آغاز سنہ ۶۱ ہجری دس محرم الحرام امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے ہوتا ہے اور ۳۲۶ ھ چوتھی صدی کے اوائل میں امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کی غیبت پر اپنے اختتام کو پہونچتا ہے۔

۲۔ غیبت کے بعد کے دور کا آغاز چوتھی صدی ہجری کے اوائل سے ہوتا ہے اور تیرھویں صدی ہجری کے اختتام تک جاری رہتا ہے۔

۳۔ دور جدید کا آغاز جو چودھویں صدی ہجری کی ابتداء سے ہوتا ہے اور تاہنوز جاری ہے۔[1]

ائمہ [علیہم السلام] کا دور

چونکہ اس مرحلہ کو عاشورائی شاعری کی تشکیل اور ارتقاء کا دور سمجھا جاتا ہے اور مدت زمانی کے لحاظ سے اموی خلافت کے بیشتر اور عباسی دور کے بعض حصہ کو شامل ہے اس لئے ایک کلی اور سرسری نظر اس دور کے سیاسی و اجتماعی اور ادبی حالات پر ڈالتے ہیں اور اس کے بعد حماسی (عاشورائی مذہب) شاعری کی تاریخ، مقام، ساخت وساز اور مضمون کی مذکورہ عنوان کے تحت تحقیق و وضاحت کی جائے گی۔

۱/۱۔اموی دور حکومت میں سیاسی واجتماعی حالات

اموی حکام کے ہاتھوں عراق کے تصرف کے ساتھ جو کہ ۳۶ ھ سے اسلامی حکومت وخلافت کا مرکز تھا، اسلام کے سارے علاقے معاویہ کے زیر تسلط آگئے اور اس نے پیغمبر کی رحلت کے تیس برس بعد قدرت امویوں کو منتقل کردی۔ معاویہ کی حکومت ایک اموی حاکم کا پہلا تجربہ تھا جس نے دینی سیاسی اور کبھی کبھار قبائلی اور علاقائی اختلاف کے درمیان جبر و تشدد سے کام لیا اور سیاسی حربوں کے ذریعے قدرت حاصل کی۔ ۴۱ ھ کو عام الجماعت کا نام دیا گیا یعنی جنگ و شورش کے مقابلے صلح وامن وآشتی کا سال۔ کیونکہ ساری امت نے خوارج کو چھوڑ کر ایک خلیفہ کی بیعت کرلی تھی۔[2]

معاویہ نے سیاسی نظام میں تبدیلی کی اور فوج کے کردار کو محور و مرکز قرار دیا؛ اس نے داخلی سیاست کو قبائل سے وابستہ کیا اور ان کے درمیان توازن قائم کرنے کے لئے اسلامی شخصیات کو بیت المال سے خوب مالا مال کیا اور بیت المال کا بے حد و حساب اور بے دریغ استعمال کیا اور اس طرح سے عالم اسلام میں امن وامان قائم کیا۔ اس نے حکومتی معاملات خود اپنے ہاتھ میں لئے اور اپنی توسیع پسند سیاست جاری رکھی اور حکومت کو شورائی نظام سے

۱۔ کرباسی، ج۱، ص ۱۳۵، ۱۴۲۱ھ

۲۔ یعقوبی، بی تا، ج۲، ص ۱۲۳، ابن کثیر، ج ۸و۱۶، ۱۴۱۰ھ

موروثی بادشاہی نظام میں تبدیل کر دیا اور اس طرح سے اس نے تا دیر امویوں کی عالم اسلام پر حکومت کرنے کی راہ ہموار کر دی۔

حکام کا اخلاقی فساد، عربوں کو فوقیت دینا، جاہلی قدروں کا احیاء، دینی سہل انگاری، خاندان رسول سے جنگ و پیکار، کربلا کا خونچکاں واقعہ، مکہ و مدینہ جیسے شہروں پر حملہ، عرب مسلمانوں کے نفوذ میں توسیع اور ساسانی و رومی سیسٹم کے سہارے ایک جدید سیاسی نظام کی داغ بیل ڈالنا اس دور کی اہم ترین سیاسی و اجتماعی خصوصیات میں سے ہے۔

۱/۲۔ یزید بن معاویہ کی جانشینی اور کربلا کا خونچکاں واقعہ

معاویہ نے حجاز کی بڑی شخصیات کو قانع اور مطمئن کرکے شام کے ہم پیمان قبائل کی حمایت اور شورائی نظام کو موروثی حکومت میں تبدیل کرنے کے بدولت یزید کی جانشینی کی راہ ہموار کی۔ چنانچہ اس کی رحلت کے بعد لوگوں نے خلافت کے لئے یزید کی بیعت کر لی۔ اس درمیان حجاز سے صرف حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر نے یزید کی بیعت سے انکار کیا اور مکہ میں پناہ لی۔ اس طرح سے ایک وسیع مالدار اور سیاسی حکومت یزید کے ہاتھ لگی جس کے لئے نہ تو اس نے کوئی جد و جہد کی اور نہ تو اس کی شائستگی رکھتا تھا۔ یزید اپنی حکومت کے دوران تین اہم مسائل سے روبرو ہوا جن میں سب سے اہم امام حسین علیہ السلام کا قیام تھا۔ امام علی علیہ السلام کی حکومتی روش کے طرفدار چند گروہ شہر کوفہ میں سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر میں جمع ہوئے اور سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ امام حسین علیہ السلام کو کوفہ بیعت کے لئے بلایا جائے۔ انھوں نے اپنا سیاسی موقف یزید کی معزولی اور موروثی نظام کی نفی قرار دیا جو معاویہ کی خلافت کے بعد وجود میں آیا تھا۔

یزید کی بیعت سے انکار اور مکہ میں اقامت گزین ہونے کے بعد کوفیوں کے مسلسل خطوط ارسال کرنے اور ان خطوط میں وعدہ بیعت و نصرت اور فوجی حمایت کے مقابلے امام حسین علیہ السلام کے سامنے اب انتخاب و اختیار کا مسئلہ تھا کہ کون سا راستہ اختیار کریں۔ کیونکہ مکہ میں اقامت وقتی تدبیر تھی اور اموی آپ کو اس شہر امن میں یونہی چھوڑنے والے نہیں تھے، اس وجہ سے کوفہ روانہ ہونے سے پہلے اس بات کو ترجیح دی کہ کوفہ والوں کو آزمائیں، اسی وجہ سے اپنے چچازاد بھائی جناب مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا۔[۱] جناب مسلم نے اس شہر میں قدم رکھنے کے بعد کوفہ کے عمومی حالات پر مبنی ایک مثبت رپورٹ تیار کی اور اس کو امام کے پاس مکہ ارسال کر دیا۔ انھوں نے

۱۔ سابق حوالہ، ص ۱۸۷-۱۸۶

اس رپورٹ میں امام حسینؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی اور لکھا کہ یہاں حالات سازگار اور آپ کے حق میں ہیں اس لئے جلدی تشریف لائیں۔[۱]

جب امام حسینؑ کوفہ کی جانب رواں دواں تھے، یزید کے منصوب کردہ گورنر عبید اللہ بن زیاد نے شیعوں کو ڈرانا دھمکانا اور جلا وطن کرنا شروع کر دیا اور خاص طور پر ان کے دو بڑے رہبروں کو تہہ تیغ کرکے حالات کو اموی حکومت کے حق میں سازگار بنا دیا۔ جناب مسلم نے قید و بند جیسے ماحول میں اپنے داروغہ زندان "محمد بن اشعث" کو قانع کر لیا کہ وہ کسی کو بھیج کر کوفہ کے بدلے اور بگڑے ہوئے حالات سے امامؑ کو مطلع کر دے۔ امام کو یہ خط منزل زبالہ پر ملا[۲] امام حسین علیہ السلام نے مردم کوفہ کی حمایت کی امید اور بعض اصحاب کی تشویق نیز جناب مسلم بن عقیل کے بھائیوں کے جذبہ انتقام کو دیکھتے ہوئے واپسی کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے سفر کو جاری و ساری رکھا۔[۳]

منزل شراف میں حر بن یزید ریاحی (حاکم کوفہ کے ایک کمانڈر) نے جب دیکھا کہ امامؑ نے کوفہ کی جانب جانے کا ارادہ ترک کر دیا ہے تو اس نے ایک درمیانی راستہ اختیار کیا جو کربلا کی طرف جاتا تھا اور اس درمیان اس نے عبید اللہ حاکم کوفہ کے نئے فرمان کے انتظار میں تاخیر سے کام لیا۔[۴] چنانچہ حاکم کوفہ کی جانب سے ایک قاصد ابن زیاد کا خط لے کر حر کے پاس پہونچا جس میں ابن زیادہ کا تاکیدی فرمان تھا کہ امام حسینؑ کا کام تمام کر دو۔[۵]
امام حسینؑ کو نہایت سخت اور دشوار شرائط و حالات کا سامنا تھا آپ نے عمر بن سعد فوج کوفہ کے کمانڈر کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ یا مجھے وہیں واپس چلے جانے دو جہاں سے آیا ہوں یا پھر میں کسی دور دراز سرحدی علاقے کی طرف چلا جاتا ہوں، یا عقبہ بن سمعان کے نقل کے مطابق امام نے یہ فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو میں خدا کی وسیع و عریض زمین میں کسی طرف چلا جاؤں اور انجام کار یہ دیکھوں کہ لوگ کیا فیصلہ کرتے ہیں۔[۶]

۱۔ ابن کثیر، ج ۳، ص ۳۷۲، ۱۴۱۰ھ
۲۔ طبری ج ۵، ص ۵۷۳، ۱۹۹۸ء
۳۔ سابق حوالہ، ص ۳۹۷
۴۔ دینوری، ص ۲۴۷، ۱۹۶۰ء
۵۔ طبری، ص ۴۰۹، ۱۹۹۸ء
۶۔ سابق حوالہ، ص ۳۹۸

حاکم کوفہ کا جواب، جنگ یا بلا قید و شرط امامؑ کا خود کو اس کے حوالے کرنا تھا۔ آخر دس محرم الحرام سنہ ۶۱ ہجری میں خونچکاں حوادث سے بھرپور ایک نامساوی جنگ میں امام حسینؑ اپنے بہتر اصحاب و انصار اور اہلبیت کے ہمراہ مظلومانہ طریقے سے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[۱]

اس حادثہ عظیم نے اپنے زمانہ وقوع اور مابعد کے ادوار میں اسلامی معاشروں میں نہایت عمیق سیاسی، اجتماعی، ثقافتی اور ادبی اثرات چھوڑے۔

۱/۳۔ بنی امیہ کے دور میں ادبی حالات

اموی حکام کی پھوٹ ڈالنے اور نسل پرستی کی سیاست جو ان کی حکومت کا خاصہ تھی، اس شیطانی سیاست پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس نے قبائلی اختلافات کو خوب ہوا دی اور دور جاہلیت کی فخر فروشی کی روش کو دوبارہ رواج دیا اور اس طرح سے ادبیات کو شدت کے ساتھ قیود و جمود اور تقلید کی زنجیر میں جکڑ دیا گیا اور اس کو حزبی اور گروہی مصالح کے لئے استعمال کیا گیا۔[۲] بڑے شعراء مجبور تھے کہ قبائل کے عوامانہ مذاق کی تسکین کی خاطر ان کی منشاء کے مطابق عمل کریں اور ایک طرح کی ناہنجاری اور بیہودہ تال سُر کی ان دیکھی زنجیر میں شعراء کو جکڑ دیا گیا۔[۳]

سیاسی شعر کی پیدائش اور جدید غزل کی حاکمیت، اموی دور کی شاعری کی اہم ترین خصوصیات شمار ہوتی ہیں۔

۱/۴۔ اس دور کے اہم شعری رجحانات

۱/۴/۱۔ سیاسی شعر

اس دور کی شاعری کا اہم ترین رجحان، سیاسی شاعری ہے۔

سیاسی شعر و خطابت کی عام خصوصیت، الفاظ و جملات اور عنصر خیال میں سہولت اور سلاست و روانی ہے کیونکہ سیاسی ادب کا مقصد اثر انگیزی، تسہیل روش اور فہم و ادراک کی ترویج و توسیع ہے تاکہ خواص و عوام میں اس کا یکساں طور پر اثر ہو بغیر اس کے کہ انھیں سمجھنے اور سمجھانے پر آمادہ کرنے کیلئے کسی طرح کی کوئی الجھن اور پریشانی ہو، سیاسی شاعری میں انفرادی محرکات سے زیادہ حزبی محرکات نمایاں ہوتے ہیں کیونکہ کسی ایک گروہ سے

۱۔ سابق حوالہ، ص ۳۸۹۔۳۹۰۔۴۰۰

۲۔ فاخوری، ص ۱۶۶، ۶۷ ۱۳ش،

۳۔ گیب، ص ۴۷، ۶۲ ۱۳ش،

منسوب شاعر کو اس گروہ کی طاقت اور کامیابی ملتی ہے، یہی وجہ ہے کہ شاعر خود سے زیادہ اس گروہ کے مصالح اور منافع کی بات کرتا ہے۔[۱]

اموی دور حکومت میں سیاسی اختلافات اور حزبی رجحانات ابال پر تھے چونکہ اموی حکام اسلام کے بینادی اصولوں سے منحرف تھے اور انھوں نے ایک اشرافی اور نسل پرستانہ حکومت کی بنیاد رکھی تھی، اس لئے انھیں پہلے سے زیادہ شعراء کی ضرورت تھی تاکہ زبان شعر کے ذریعے اس حکومت کے بنیادی اصولوں کو مستحکم کریں اور قبائلی اور اقلیمی تعصب کی آگ کو خوب ہوا دیں۔ بادیہ نشینی اور جاہلی زندگی کی خصوصیات کو زندہ رکھنا، اسلامی شعائر سے دوری اور ادبی روش میں شعر جاہلی کی زبان اور روش کی پابندی، اموی دور میں سیاسی شعر کی خصوصیات شمار ہوتی ہیں

۱،۱،۴،۱۔ تین نامور اور مشہور شاعر: فرزدق، جریر اور اخطل

اس دور کی سیاسی شاعری، قبائلی تعصّبات اور توصیفات پر مشتمل نظر آتی ہے۔ جریر و فرزدق اور اخطل یہ تینوں ایک دوسرے کے نقائص بیان کرتے تھے اور اس طرح سے وہ ایک دوسرے کو مہمیز اور برانگیختہ کرتے تھے اور ایک طرح سے شعری مشاجرہ (نزاع) کرتے تھے۔ اس کی سب سے نمایاں مثال ان کے اشعار میں بخوبی نظر آتی ہے۔

یہ تینوں شاعر بلاشک و شبہ مشترک خصوصیات کے حامل تھے اس کے باوجود اگر فرزدق قصیدہ گوئی میں استاد تھا اور گذشتہ اعراب کے افتخارات اور اصل و نسب اور دلیرانہ اعمال کی نسبت ان کے فخر و مباہات پر مشتمل شاعری کرنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا تو اس کے مقابلے میں اخطل مدح سرائی میں اپنے ہنر کے جوہر دکھاتا تھا لیکن جریر کو مطبوع و متنوع اشعار کہنے کی وجہ سے ظاہراً ان دونوں سے بڑا شاعر شمار کیا گیا۔[۲]

۲،۱،۴،۱۔ خوارج، زبیریوں اور شیعوں کی شاعری

خوارج کی شاعری ایک فرقہ کے دینی اور سیاسی عقیدہ کو بیان کرتی ہے۔ یہ فرقہ جدید تمدن کی تاثیر اور اس کے رجحانات سے جو خاص طور پر شام میں رائج تھا دور تھا اور اس طرح سے اس نے اپنی طبیعت (مذہبی رجحان اور ذہنیت) کی حفاظت کی۔ اس شاعری کا امتیاز ولایت و رہبری میں ان کے عقیدہ کی عکاسی اور تصویر کشی کرنا ہے۔

شیعہ شاعری بھی خاندان نبوت اور اہلبیت عصمت و طہارت کی تعلیمات کی روشنی میں سیاسی ادب میں ایک تاثیر گذار اور فعال عنصر میں تبدیل ہوئی۔

۱۔ الحوفی، ۱۹ و ۲۲، ۱۹۷۹ء

۲۔ عبد الجلیل، ۷۰۔۷۱، ۱۳۷۴ش

سیاسی ادب میں زبیریوں اور شعوبیوں کے دو دوسرے رجحان ہیں۔ آل زبیر ایک مخصوص طرح کی اشرافیت کو برپا کرنے اور قریش کے تسلط و اقتدار کا خواب لے کر اموی حکام کے مقابلے کھڑے ہوئے۔ عبد اللہ بن قیس الرقیات نے واقعہ حرہ میں امویوں کے ہاتھوں اپنے دو بیٹوں کا داغ اٹھانے کے بعد اپنی شاعری کا رخ زبیریوں اور ان کی حمایت کی طرف موڑ دیا، شعوبیہ کو بھی سیاسی عسکری، ثقافتی اور ادبی میدان میں نفوذ کی بدولت روز افزون ترقی اور رونق ملی۔

۲م۴م۱۔ احساساتی اور جذباتی شاعری

پہلی صدی ہجری میں عاشقانہ شاعری کو کچھ اس طرح رونق ملی کہ بدوی اور شہری دو قالب میں جلوہ گر ہوئی اور جزیرۃ العرب میں خوب پھلی پھولی اور اس کو روز افزون ترقی ملی۔ بدوی غزل کی خصوصیت احساسات و جذبات کی پاکیزگی اور زیبائی کلام کی آراستگی ہے۔ اس مکتب کے شعراء کو عذری شعراء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور ان کا یہ نام قبیلہ (بنی عُذرہ) سے مأخوذ ہے، عذری شعراء میں جمیل (عاشق بُثَینہ)، کثُیِّر (عاشق عزہ) اور قیس بن ملوح (عاشق لیلیٰ) سب سے زیادہ مشہور اور نمایاں ہیں۔ مکہ ومدینہ کے شہر، شہری غزل کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے کا مرکز تھے، اموی شعراء اس میدان میں عشق کے ناگفتنی اسرار و لطائف، زنانہ ظرافتوں اور شرم آور گستاخانہ باتوں کو بلا جھجک زبان پر لاتے تھے اس طرح کی شاعری کی نمائندگی کرنے والوں میں عمر بن ابی ربیعہ، عبد اللہ العرجی، عبد اللہ بن قیس الرقیات، حارث بن خالد اور الاحوص بن محمد الانصاری کے نام قابل ذکر ہیں۔[۱]

۲۔ عباسی اول اور عباسی دوم کے دور کے سیاسی حالات

۱م۲۔ خلافت عباسی کی تشکیل کے مراحل

عباسی خلافت نے آغاز سے تشکیل تک دعوت کے دو بنیادی مرحلوں کو طے کیا:

۱۔ پہلے مرحلہ کا آغاز پہلی صدی ہجری قمری کی ابتداء سے ہوا اور ابو مسلم خراسانی کی شمولیت سے دعوت اپنے اختتام کو پہونچی جو ۱۰۰ھ سے ۱۲۸ھ۔ق پر محیط اور مشتمل ہے۔

۲۔ دوسرا مرحلہ ابو مسلم خراسانی کی شمولیت سے شروع ہوا اور یہ مرحلہ ۱۳۲ھ میں اموی حکومت کے سقوط اور عباسی حکومت کی تشکیل تک جاری وساری رہا۔

۱۔ ضیف۔ ج ۲، ص ۱۵۰-۱۳۵، ۱۹۶۰، فاخوری، ۱۶۵-۱۶۴، ۷۶ ۱۳ش

۲٫۲۔ عباسیوں کے تخت قدرت پر متمکن ہونے کی وجوہات

جو چیز عباسیوں کے تخت قدرت پر متمکن ہونے میں مدد و معاون ثابت ہوئی صرف ادعاء یا شخصی شوق و رغبت نہیں ہے بلکہ کچھ دوسرے سیاسی اور اجتماعی عوامل اور محرکات بھی مدد و معاون ثابت ہوئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ پیغمبر خدا سے ان کے انتساب کا دعوی ۲۔اسلام میں ان کا سابقہ اور علمی و جنگی خدمات ۳۔ بنی امیہ سے عموم الناس کی نارضایتی و ناراضگی اور سماج اور معاشرے کا رقیب گروہوں کی طرف رغبت کرنا ۴۔ ناراض گروہوں بالخصوص ایرانیوں کے درمیان سیاسی سوجھ بوجھ کا فقدان اور خاندان پیغمبر سے رقیب گروہوں کو جدا کرنے کی صلاحیت کا نہ ہونا ۵۔ عمومی طور پر ایک غیبی نجات دہندہ کی آمد کا انتظار ۶۔اہلبیت واقعی کے خطرے سے بنی امیہ کی آگاہی اور بنی عباس کی ثقافتی اور سیاسی سرگرمی کے لئے مناسب موقع کی فراہمی ۷۔ عباسیوں کا جعلی احادیث کا سہارا لینا۔ ۸۔ سابقہ تمام انقلابوں سے عباسیوں کی علیحدگی اور کنارہ کشی۔

۳٫۲۔ اقتصادی اور اجتماعی حالات

زیادہ وقت نہیں گزرا کہ عباسیوں کا دار السلطنت بغداد، مشرق وسطی کے قلب کی صورت اختیار کر گیا۔ کیونکہ ہندوستان کی تجارت کی اہم بندرگاہ اور اس وقت کا عظیم تجارتی مرکز قرار پایا۔ یہ اقتصادی رونق پر تجمل و آرائش زندگی کا تحفہ ساتھ لائی، فتوحات کی کثرت اور فتح ممالک کے سبب مرکز خلافت کی دولت وثروت میں بے انتہا اضافہ ہوا اور مرکز خلافت کے خزانے بے انتہاء دولت وثروت سے چھلکنے لگے، اشراف کے نو مولود طبقہ کے اسراف و تبذیر نے طبقاتی فاصلوں کو اور ہوا دے دی، اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ مرکز خلافت میں تدریجا مختلف طبقات مخصوص توانائیوں کے ساتھ وجود میں آئے: ا۔ حاکم و برتر اجتماعی طبقہ (خلفاء، وزراء، اور امراء پر مشتمل) ۲۔ درمیانی اور متوسط طبقہ (صنعت گروں، تاجروں اور حکومتی کارکنوں پر مشتمل) ۳۔ فقیر اور عوام طبقہ (غلاموں، فقیروں اور کسانوں پر مشتمل)۔[۱]

۴٫۲۔ ثقافتی اور ادبی حالات

عربوں کے ساتھ بیگانہ اقوام کی آمیزش اور پہلے عباسی خلفاء کا اپنی حکومتوں کے دوران دوسرے تمدنوں کی حصول یابیوں سے استفادہ کرنا اس بات کا باعث ہوا کہ مترجمین، ناسخین، مؤلفین اور شعراء کو اپنی دینی، ادبی اور علمی

ا۔ ضیف، ج ۳، ص ۸۸۔ ۴۴، ۱۹۶۰

سرگرمیاں دکھانے کا موقع ملا اور عربی زبان ایک انعطاف پذیر اور قدر تمند اوزار کی شکل اختیار کر گئی جو دوسرے تمدنوں اور افکار و نظریات کا بار اٹھانے پر قادر تھی۔[1]

عربی تمدن بیگانہ تمدن بالخصوص ایران و یونان کے تمدن سے آمیزش واختلاط کے زیر اثر وسعت پذیر ہوا اور تحریک ترجمہ اور عربی فکر کی آفاقیت کی توسیع سے نظریات بارآور ہوئے اور عمومی کتابخانوں اور علمی مدارس کو رونق ملی اور علمی و فلسفی تحقیقات نے ایک منظّم صورت اختیار کر لی۔[2] یہ تمام میلانات اور رجحانات عصر عباسی کے ادب و شعر میں نمایاں ہوئے اور پھر جدید ادبی و شعری مکاتب کے ایجاد کی بنیاد پڑی۔

۵ ,۲۔اس دور میں شعر وشاعری

اموی دور کے اختتام نے عربی قصیدہ کی قدیم عمارت کو منہدم اور زمیں بوس ہوتے ہوئے دیکھا۔

احساسات و جذبات کی شاعری کرنے والے شعراء جن سے جبر واکراہ کے ساتھ قصائد کا آغاز ہوا، مجبوراًسب نے عاشقانہ مضامین اور مقاصد کو اختیار کیا اور مستقل طور پر رواج دیا، اس اقدام نے عصر عباسی کے پہلے دور کے شعراء کو اپنی طرف جذب کیا اور یہاں سے قدماء اور متجددین کے درمیان ایک طرح کی کشمکش اور نزاع کی شروعات ہوئی۔[3] انھوں نے کوشش کی کہ عشق، شراب، فلسفہ، زہد اور تصوف وغیرہ جیسے موضوعات پر مزید گہرائی کے ساتھ نظر ڈالیں جبکہ قدماء ان موضوعات سے اصلاًبے خبر تھے یا ان موضوعات کی طرف صرف اشارہ کرنے پر اکتفاء کی۔اس تبدیلی اور دگرگونی نے اغراض، موضوعات، فنون، معانی ،افکار و اسالیب اور ان کے اوزان پر گہرا اثر چھوڑا۔

۶ ,۲۔اس دور کے شعراء اور شاعری کے اغراض ومقاصد

۱ ,۶ ,۲۔مدح وستائش

شعراء نے مدح سرائی کا رخ کیا، کیونکہ مدح سرائی تحصیل معیشت کا ذریعہ تھی اور اسی وجہ سے مدح سرائی میں بہت زیادہ غلو ومبالغہ سے کام لیا گیا۔اس دور کے مشہور اور نام آور مدح سرائی کرنے والوں میں بحتری کا نام لیا جا سکتا ہے۔ابن رومی نے مدحیہ قصائد میں فخر ومباہات کی آمیزش کی اور غلو واغراق کی طرف بہت کم توجہ دی۔

۱۔ عبدالجلیل، ص ۱۰۶-۱۰۵ ۱۳۷۴ش

۲۔ فاخوری، ص ۲۷۵ -۲۷۴، ۱۳۷۶ش

۳۔ بلاشر، ص ۱۵-۱، ۱۹۸۴ء

۲،۶،۲۔ توصیف و تعریف

شعراء، قدیم موضوعات کے علاوہ محلوں ، سوئمنگ پول، شمع، باغ و بستان اور انواع طعام جیسے دوسرے موضوعات کی طرف توجہ دینے لگے تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کے نفوس اور قلوب میں نشاط و شادمانی پیدا کر سکیں۔[1] ابو تمام بحتری اور ابن رومی اس دور میں توصیف و تعریف کے برجستہ اور نامور شعراء میں سے شمار ہوتے تھے۔

۳،۶،۲۔ مرثیہ شہروں کا مرثیہ منجملہ ابن رومی کا شہر بصرہ کا مرثیہ اس دور میں تمدن جدید کے مظاہر کی توصیف کا ایک مصداق ہے جو باطنی سچے اور اثر گزار احساسات و جذبات ، باطنی ساخت وساز ،استواری و پائیداری اور سلاست وروانی کے ساتھ اعزہ واقرباء ،امراء اور فوجی کمانڈروں کے مرثیہ میں آشکار ہیں۔[2]

۴،۶،۲۔ ہجو اور مذمت

یہ غرض بھی اسی طرح وسیلہ کسب درآمد تھی اور اس کی بےآبروئی اور نیش زدگی میں روزافزوں اضافہ ہوا۔ ہجویہ مضامین یا انفرادی واجتماعی اخلاق و کردار پر مشتمل ہوتے تھے یا ان کے ظاہری صفات و مشخصات کی غمازی کرتے تھے ۔نیشار اور ابن رومی اس طرح کی غرض کے برجستہ اور مثالی نمائندہ شاعر شمار ہوتے تھے۔

۵،۶،۲۔ تعلیمی اشعار

اس دور میں نفوذ عقل کا مظہر تھے اور اہل علم و دانش اس کو بعض علوم کے سلک نظم میں پرونے کے لئے کام میں لاتے تھے تاکہ اس علم کے حفظ کرنے اور اس کی طرف رجوع کرنے میں آسانی ہو۔

۶،۶،۲۔ زہد و حکمت

زاہدانہ اشعار کا شراب و شباب سے کہیں زیادہ لوگوں کی عام زندگی سے رابطہ تھا۔ سچے احساسات رقیق و نازک جذبات، سادہ وآسان الفاظ اور سبق آموز زبان ، زاہدانہ اشعار کی غالب خصوصیت شمار ہوتی تھی ۔ حکیمانہ اور فلسفیانہ اشعار میں دنیا کو تحلیلی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ فلسفہ یونان اور حکمت ایران قدیم کی توسیع اور معتزلی متکلمین اور دانشوروں کے ایک گروہ کے ظہور نے غزلیہ اشعار میں عقل کو داخل کیا۔

۷،۶،۲۔ غزل

لہو ولعب کی اشاعت اور فساد وفحشاء کی ترویج کے سبب عذری اور منصفانہ غزل نے اپنی رونق کھودی اور اس کی جگہ

۱۔ حسین ج ۲، ص ۳۵۳-۳۴۸، ۱۹۸۸-۱۹۸۱ء

۲۔ فاخوری، ص ۴۰۵، ۱۳۷۶ش

بے حیائی، بیہودگی اور بے عفتی نے لے لی۔ غزل کی زبان سادہ و آسان اور سلیس و رواں تھی اور معاشرے کے اکثر افراد غزل کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور معمولا معاشرے میں رائج غنا و موسیقی کے زیر اثر ان اوزان سے استفادہ ہوتا تھا جو آسانی کے ساتھ موسیقی سے ہم آہنگ ہو سکیں۔[1] ابو نواس اس طرح کے اشعار کا خالق تھا۔

حماسی (عاشورائی مسلک) شاعری۔ تشکیل اور دگرگونی کا دور

امام حسینؑ کے شعار، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، حریت، ایثار و فداکاری، پائیداری و حق طلبی اور دفاع مظلوم وغیرہ وہ شعار ہیں جو مابعد کے ادوار میں بھی ظالموں اور دین سے منحرف لوگوں کے سامنے قابل استناد و پیروی ہیں۔ اس نکتے کا بھی اضافہ کرنا چاہئے کہ امامؑ نے ظالموں کے خلاف قیام کی مشروعیت کی دینی لحاظ سے تائید کی ہے اور اس رخ سے بھی آپ کا قیام تقلید و پیروی کے لئے بہترین نمونہ شمار کیا جا سکتا ہے۔ واقعہ کربلا نے بنیادی طور پر امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کی طرف سے ایک جاوداں مذہبی اقدار کی صورت اختیار کی اور اس طرح سے وہ خاص سیاسی اغراض و مقاصد کی تصویر کشی کے لائق ہوا اور شیعی تعلیمات، افکار و نظریات اور دغدغوں کو بھی ہیجان انگیز بیانات، مذہبی عزاداری اور زیارت ناموں کے قالب میں آئندہ نسل تک منتقل کرنے میں کامیاب ہوا۔ زیارت عاشوراء جو امام حسینؑ کو تاریخی اور اقداری لحاظ سے پیغمبروں کی راہ کو آگے بڑھانے والا شمار کرتی ہے اس حوالے سے اس کو سب سے زیادہ نمایاں مقام حاصل ہے۔ شیعی مذہب شعراء نے بھی ائمہؑ کے اس طرز عمل سے متاثر ہو کر اموی اور عباسی دور میں اس مکتبی واقعہ اور اس کے گوناگون پہلوؤں کو اپنی شعری تخلیقات کا موضوع بنایا۔

اور اس طرح سے حریم ولایت اور اسلامی مقدسات کے دفاع کو جو بہ نحو احسن قیام امام حسینؑ سے متجلی اور نمایاں ہوا، سید حمیری، کمیت اسدی، دعبل خزاعی، منصور نمری، دیک الجن اور ابن رومی جیسے بزرگ شیعی شعراء کے اشعار میں جگہ ملی۔

۱۔ عاشورائی رجز۔ یقیناً اس شاعری کی اولین نشانیوں اور علامتوں کو عاشورائی رجز میں جستجو کی جا سکتی ہے۔ یہ حرارت بخش اور پر شر رجز ابو عبداللہ الحسین (سید الشہداء) اور آپ کے باوفا اصحاب واہلبیتؑ کی زبان پر جاری ہوئے۔ ان رجز کی ساخت سادہ و بے آرائش اور تکلف آمیز شاعرانہ خیال پردازی سے دور تھی اور ان سے استقامت و پائیداری اور ایثار و فداکاری اور سرانجام عروس شہادت کو گلے لگانے کی تڑپ نمایاں ہوتی ہے۔

۱۔ فاخوری، ص ۲۷۹-۲۸۷، ۲۷۶، ۱۳۷۷ش

امام حسینؑ کے علمبردار لشکر جناب عباسؑ پر بروز ۹ محرم جب مخفی کمین گاہ سے بزدلانہ طریقے سے حملہ ہوا اور طفیل بن حکیم نے آپ کا دایاں ہاتھ قلم کردیا تو آپ نے تلوار دائیں ہاتھ میں لے کر یہ رجز پڑھا:

وَاللّٰہِ إن قَطَعتُمُ یمینی إنّی أحامی أبَداً عَن دینی
وَعَن إمامِ صادِقِ الیقینِ نَجلِ النّبیِ الطاھِرِ الأمینِ۔[1]

خدا کی قسم اگر تم نے میرا دایاں ہاتھ قلم کردیا ہے تو کیا ہوا، بلا تردید میں ہمیشہ اپنے دین کی حمایت کروں گا۔ اور صادق الیقین امام اور طاہر و امین پیغمبر کے فرزند کی ہمیشہ حمایت کروں گا۔
اور جب آپ کا بایاں ہاتھ بھی قلم ہوگیا تو فرمایا:

یا نَفسُ لاتَخشَی مِنَ الکُفّارِ وَأبشِری بِرَحمَۃِ الجَبّارِ
مَعَ النبی السید المختار قد قطعوا ببغیھم یساری
فاَصلِھِم یارب حَرَّ النار[2]

اے نفس، کافروں سے خوف زدہ نہ ہو اور خدائے جبار کی رحمت سے لو لگا، پیغمبر جو سید و سردار دو عالم اور برگزیدہ عالمیان ہیں ان کے جوار میں کوفیوں نے میرا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا ہے، خدایا: حرارت آتش دوزخ کا انھیں مزہ چکھا۔

امام حسین علیہ السلام جب اپنے تمام انصار و اصحاب اور اہلبیتؑ کی شہادت کے بعد کوفیوں کے بالمقابل آئے تو شمشیر بدست، زندگی سے ناامید اور موت کے لئے تیار ہو کر یہ حماسی اور ہیجان انگیز رجز پڑھا:

انا ابنُ علی الطھر من آل ھاشم کفانی بھذا مَفخراً حین أفخر
وجَدّی رسولُ اللہ اکرمُ مَن مَشی ونحن سِراجُ اللہِ فی الخَلق یزھر[3]

میں خاندان ہاشم سے طیب و طاہر علی کا فرزند ہوں، ہنگام فخر و مباہات میرے لئے یہی فخر کافی ہے۔
میرے جد رسول خدا ﷺ روئے زمین پر سب سے زیادہ محترم و مکرم ہیں۔ اور میں لوگوں کے درمیان روشن چراغ (ہدایت) ہوں۔
اس کے بعد آپ نے میمنہ و میسرہ پر حملہ کیا اور یہ رجز پڑھا:

۱۔ قمی، ص ۳۰۳، ۱۴۲۱ھ، ۱۳۷۹ش
۲۔ سابق حوالہ، ص ۳۰۵-۳۰۴
۳۔ سابق حوالہ، ص ۳۱۹

انــــا الحســـــین بـــــن عــــلی　　الیـــــت ان لاأنثـــــــنی
أحمــــــــی عیـــــــالات أبی　　أمضی عـــــلی دیـــــن النـــبی[1]

میں حسین بن علی ہوں، میں نے قسم کھائی ہے کہ تم کوفیوں کو اپنی پشت نہیں دکھاؤں گا، اپنے پدر بزرگوار کے خاندان کی حمایت کروں گا اور دین پیغمبر کی راہ پر چلوں گا۔

خونچکاں، جانگدار اور شجاعت و جوانمردی کی تصویریں اور مردان خدا کی دلیرانہ جنگ کی عبرت انگیزیاں جو عاشورائی رجز کا خاصہ ہیں اس نے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے شیعہ متدین شعراء کو اپنا قرضدار بنالیا، یہاں تک کہ حماسی (عاشورائی مسلک) شعر نے ستمگاروں اور غاصبوں کے بے رحمانہ قتل و کشتار اور اذیت وآزار کے سخت ترین شرائط اور دور میں بھی اپنی زندگی کے سفر کو جاری و ساری رکھا اور عربی و فارسی ادب کے میدان میں گرانقدر اثر گزار اور دیرپا آثار کی تخلیق کی اموی دور میں حماسی (عاشورائی مسلک) شعر ابو الاسود دوئلی اور کمیت اسدی اس دور کے سب سے زیادہ مشہور اور نامور شاعر شمار ہوتے ہیں، ان شعراء نے امام حسینؑ کے غم میں اشعار کہے ہیں اور قیام عاشوراء کی انسانی اور آئینی قدروں کی حماسی اور ولولہ انگیز زبان مین منظر کشی کی ہے۔
ابو الاسود دوئلی نے امام حسینؑ کی شہادت میں ایک مرثیہ لکھا اور قاتلان امام سے انتقام کے طلبگار ہوئے۔[2]

اَقــولُ وذاک مــن جَـزَعٍ ووَجْـدٍ　　أزالَ اللــهُ مُلــکَ بَــنی زِیــادٍ

میں مسلسل اور ہمیشہ ہیجانی اور بے تابی کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا ابن زیاد کی حکومت و اقتدار کا خاتمہ کردے۔

جب کمیت نے اپنے قصیدہ ہاشمیات کو امام محمد باقر علیہ السلام کے سامنے پڑھ کر سنایا تو آپ نے فرمایا: خدا کمیت پر اپنی رحمت نازل کرے اور اس کو لباس عفو و بخشش عنایت فرمائے۔[3]

کــأنَّ حســیناً وَالبهــالیــلَ حولــه　　لاَسیافِهِم مــا یَخْــتَلی المُتقبــلُ[4]

۱۔ سابق حوالہ، ص ۳۲۳-۳۲۱
۲۔ اصفہانی، بی تا، ج ۱۵، ص ۲۱۵
۳۔ اصفہانی، بی تا، ج ۱۵ ص ۱۲۳
۴۔ سابق حوالہ، ص ۱۸۲-۱۸۱

گویا حسین اور آپ کے باوفا و مطیع اصحاب (کے بدن) ان کی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھرے پھول کی طرح (زمین پر) پڑے ہوئے تھے۔[1]

عباسی دور

مرثیہ حسینی کی جھلک، حماسی شعر کے قالب میں اس دور کے نامور اور بزرگ شعراء جیسے مصعب عبدی کوفی، عنان طایی، سید حمیری، دیک الجن، نمری و ابن رومی کے اشعار میں دکھائی دیتی ہے اور دعبل کے قصیدہ تائیہ میں یہ حماسی شاعری اپنے اوج کمال کو پہونچتی ہے۔

مصعب کوفی (۱۷۸ھ) اپنے اشکوں کا نذرانہ فرات کے کنارے خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون میں نہائے لاشہ ہائے برہنہ کو یوں پیش کرتے ہیں:

وأبکتْ عُیونی بالفرات مصارع　　لِآلِ النبیِ المصطفیٰ وَعِظام[1]

میری آنکھوں نے فرات کے کنارے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے عظیم المرتبت افراد کے خون میں نہائے لاشوں کو اپنے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کیا۔[2]

ابو عبداللہ ؑ کے پارہ پارہ جسم اطہر کی یوں جانگداز انداز میں منظر کشی کرتے ہیں:

غداۃ حسین للرماح دریئہ　　وقد نہلت منہ السیوف وعلت[3]

صبح دم حسین ؑ کا جسم اطہر تیروں کی زد پر تھا اور تلواروں نے آپ کے خون سے اپنی پیاس بجھائی اور مزید سیراب ہونے کیلئے مسلسل تلواریں آپ کے جسم اطہر کے بوسے لیتی رہیں۔

سید حمیری[4] آپ کی شہادت کے بعد زندگی کو تلخ و دشوار اور ہر طرح کی لذت سے خالی جانتے ہیں:

وما لذ عیش بعد رضک بالجیاد الأعوجیہ[5]

آپ کے خون میں نہائے جسم اطہر کے پائمال سم اسپاں ہونے کے بعد زندگی میں کوئی لذت باقی نہیں ہے۔
نمری[1] اپنے عزیزوں کو کربلا کے شہیدوں پر قربان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

۱۔ سابق حوالہ، ص ۱۶۹
۲۔ عفان طایی، وفات ۱۵۰ھ
۳۔ سابق حوالہ، ج۱، ص ۱۹۲
۴۔ وفات ۱۷۹ھ
۵۔ سابق حوالہ، ص ۱۹۸

قتیــل مــا قتیــل بــنی زیــاد　　ألا بـــأبی وامی مـــن قتیـــل[۲]

کیا کہنا ان قتل ہونے والوں کا جو فرزندان زیاد کے ہاتھوں قتل ہوئے کوئی بھی قتیل ان کے مرتبہ کو نہیں پہونچ سکتا، ایسے کشتگان گریہ وبکا پر میرے ماں باپ قربان۔

دیک الجن[۳] کربلا کی قبروں میں سونے والوں کی مصیبتوں کو اپنے قلب کی آرامگاہ قرار دیتے ہیں:

یــا عــین فی کــربلا مقــابر قــد　　تــرکن قلــبی مقــابر الکــرب[۴]

اے میری اشکبار آنکھ کربلا میں کچھ قبریں ہیں جن قبروں نے میرے قلب کو غم واندوہ اور درد و کرب کی آماجگاہ بنادیا ہے۔

ابن رومی[۵] اپنے قصیدہ جیمیہ میں آل زیاد اور بنی عباسی کے مجرمانہ اور جنایت کارانہ اقدام کو تاریخ کے بین السطور یوں رقم کرتے ہیں:

أکـــل أوان للنـــبی محمـــد　　قتیــل زکی بالــدماء مضــرج[۶]

کیا ضروری ہے کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی فرزند پیغمبر ﷺ بے جرم وخطا عروس شہادت کو گلے لگائے اور اپنے ہی خون میں نہائے۔

ختم کلام میں دعبل خزاعی (۲۶۴ھ) اپنے قصیدہ تائیہ میں شور وحماسہ اور شعار وشعور کی ایک دنیا خلق کرتے ہیں:

أَفَاطِمُ قُومِی یا ابنۃَ الخَیرِ وانْدُبِی　　نُجومَ سماواتٍ بأرضٍ فَلاتِ[۷]

اے فاطمہ! اے بنت پیغمبر خیر ونیکی! اٹھیں اور صحراء کربلا کے دامن میں ٹوٹے اور بکھرے ہوئے ستاروں پر گریہ وزاری کیجئے۔

۱۔ وفات ۱۷۹ھ
۲۔ سابق حوالہ، ص ۲۰۹
۳۔ ۲۳۵ء یا ۲۳۶ھ
۴۔ سابق حوالہ، ص ۲۸۴
۵۔ وفات ۲۸۳ھ
۶۔ اصفہانی، ۶۴۶، بی تا
۷۔ خزاعی، ص ۵۵، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء

عاشورائی شاعری اپنے زمانہ میں رائج شعری اغراض اور دوسری روشوں کی تقلید اور پیروی کے باوجود بالتدریج ایک خاص روش سے ہمکنار اور سرافراز ہوتی ہے۔

فارسی ادب میں حماسی (عاشورائی مسلک) شاعری

چوتھی صدی ہجری کے اوائل سے پہلے تک متعصب فرمانرواؤں کی حاکمیت اور ان کی سخت گیری کے سبب فارسی ادب میں عاشورائی شاعری کا کوئی قابل قبول نمونہ پیش نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن آل بویہ کی حاکمیت اور تدریجا مذہب تشیع کی ترویج و توسیع کی وجہ سے فارسی ادب کی تاریخ میں خاندان پیغمبر کے مراثی بالخصوص سید الشہداءؑ کے جانگداز مصائب کی یاد کو ایک ممتاز اور نمایاں مقام ملا۔ معزالدولہ دیلمی (۳۵۶-۳۲۰ھ) کے حکم سے سنہ ۳۵۲ ھ میں بروز عاشورا پہلی بار عزاء حسینی کے پروگرام آشکارا انجام پائے اور یہ سلسلہ ساٹھ برس تک جاری رہا (صفا، ج۱، ص۲۰۰، ۱۳۵۵) شیعوں کے ایک گروہ نے عاشورائی شاعری اور تاریخ حدیث کے شعبے میں مطالعہ کرکے مناقب و مراثی اہلبیتؑ کے نشر و انتشار کا بیڑا اٹھایا۔ یہ گروہ فضائلیوں (یعنی اہلسنت کے راویوں اور نقالوں کے مقابلے میں جو نقالی کے ضمن میں شیخین کے فضائل اور ان کی زندگی کے برجستہ پہلوؤں کو بیان کرتے تھے) مناقبیوں سے مشہور ہوا۔

عاشورائی شاعری کی تشکیل اور اس میں ہونے والی تبدیلیوں کی تحقیق سے پہلے ایک اجمالی اور سرسری نظر دسویں صدی ہجری تک فارسی شاعری میں ہونے والی تبدیلیوں کی تاریخ پر ڈالتے ہیں:

دسویں صدی ہجری تک فارسی شاعری میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کی تاریخ

مشرقی ایران کا عمومی لہجہ (دری فارسی) یعقوب لیث صفار (۲۶۵-۲۵۴ھ) (مؤسس وبانی سلسلہ صفاریان) کی مدد سے تیسریں صدی ہجری کے اواسط میں ایران میں جدید ادبیات کی ایجاد کا وسیلہ قرار پایا اور محمد بن وصیف سگزی اور محمد بن مخلد سگزی جیسے شعراء کے عرصۂ ظہور پر آنے سے فارسی کے پہلے عروضی اشعار لکھے گئے پھر اس سلسلے کو ابو سلیک گرگانی وحنظلہ بادغیسی اور مسعودی مروزی جیسے شعراء نے آگے بڑھایا اور چوتھی صدی میں سامانیوں کی حکومت کو جب غلبہ حاصل ہوا تو اس میں خاطر خواہ تبدیلی دیکھنے کو ملی (صفا، ۹-۸، بی تا)

۱۔ سامانی اور غزنوی دور

(تیسری صدی سے پانچویں صدی ہجری کے نصف اول کے اختتام تک)

اس دور میں شہید بلخی، رودکی، دقیقی، کسایی، فردوسی، فرخی سیستانی، عنصری، منوچہری دامغانی وابوسعید ابوالخیر جیسے بڑے شعراء نے اپنی شاعری کی بنیاد فلسفہ و حکمت اور عرفان پر رکھی۔ صنائع و بدائع لفظی، کنایہ و استعارہ میں

افراط اور صنعتی تکلفات سے دوری اختیار کی، مدح سرائی اور قصہ پردازی کی جانب رغبت کی اور قصیدہ، مثنوی ،مسمط، رباعی، دوبیتی، ترجیع بند، ترکیب بند جیسے اصناف سخن میں طبع آزمائی کی اوراس باشکوہ حماسہ آفرینی کی بدولت خراسانی روش کی بنیاد ڈالی۔

۲۔ سلجوقیان اور خوارزمشاہیان کا دور

(پانچویں صدی کے نصف آخر سے دسویں صدی ہجری کے آغاز تک)

اس دور کے برجستہ شعراء :اسدی طوسی، ناصر خسرو، مسعود سعد سلمان، امیر معزی، سنائی، انوری، خاقانی، بابا باہر، نظامی، جمال الدین اصفہانی اور عطار نیشاپوری، نے لفظی و معنوی صنائع و بدائع فلسفی و علمی اصطلاحات کا بکثرت استعمال کیا، آیات قرآنی اور احادیث کی جانب اشارہ کیا، عربی الفاظ و ترکیب سے بھی استفادہ کیا، غزل کے قالب کا اصناف سخن کے دوسرے قوالب میں اضافہ کیا اور سیاسی شاعری کا رخ کیا اور اس طرح سے یہ شعراء خراسانی روش کو مابعد کے دور کی روش سے ملانے والی زنجیر اور کڑی ثابت ہوئے اور اس طرح سے روش دورہ انتقال وجود میں آئی۔

۳۔ مغلوں اور تیموریوں کے غلبہ واقتدار کا دور

(ساتویں صدی کی ابتداء سے نویں صدی ہجری کی انتہا تک)

اس دور کی شاعری لطیف الفاظ و کلمات اور غزل کی رونق سے مالا مال ہونے کے ساتھ ساتھ عرفان، اسلامی ثقافت اور اخلاقی فضائل سے معمور اور عربی کلمات و ترکیبات سے بھرپور تھی اور شعراء نے دربار سے رخ موڑ کر عوام الناس کا رخ کیا ہے اور یہی امر زبان و ادبیات فارسی میں عراقی روش کی ایجاد و دگرگونی کا باعث ہوا اور عطار، مولوی، کمال الدین اسماعیل، سعدی، اوحدی مراغہ ای، امیر خسرو دھلوی، خواجوی کرمانی، ابن یمین، سلمان ساوجی، اور حافظ و جامی جیسے بزرگ شعراء کے ظہور کا باعث ہوا۔

۴۔ صفوی دور

(دسویں صدی کے آغاز سے بارہویں صدی ہجری کے وسط تک)

شعری موضوعات کی وسعت اور شعر فارسی کے شعبے میں تاریخی و دینی حوادث و وقائع اور منظومات حکمی و عرفانی کو مقام ملنا اور مرثیہ سرائی کا معراج کمال پر پہونچنا اس بات کا باعث ہوا کہ اس دور کے بڑے شعراء جیسے محتشم کاشانی، بابا فغانی شیرازی، وحشی بافقی، صائب تبریزی، ہاتف اصفہانی، طالب آملی اور کلیم کاشانی، اصفہانی روش کو پس پشت ڈال دیں۔

شیعی فارسی شاعری کے شعبے میں حماسی شاعری

قدیم ترین مکتوب عاشورائی مرثیہ، کسائی مروزی (چوتھی صدی ہجری کے شیعی شاعر) نے لکھا۔ اسی وجہ سے اس کو شیعہ مذہب ایرانی شاعروں کا پیش رو اور آئین فارسی کے مکتوب شعر کا آغاز شمار کیا جاتا ہے۔[1]

دست از جہان بشویم عز و شرف نجویم مدح و غزل نگویم مقتل کنم تقاضا
دنیا سے ہاتھ دھولوں عز و شرف نہ مدح و غزل نہ لکھوں مقتل کروں تقاضا
میراث مصطفیٰ رافرزند مرتضی را مقتول کربلا را تازہ کنم تولا
میراث مصطفیٰ کی فرزند مرتضی کی مقتول کربلا کی تازہ کروں تولا[2]

حکیم سنائی (پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے مشہور شیعی شاعر) نے اپنے شعر کی دسیوں بیت امام حسینؑ کے سوگ سے مخصوص کی ہے:

حبّذا کربلا و آن تعظیم کز بہشت آورد بہ خلق نسیم

کیا کہنا سرزمین کربلا اور اس کی عظمت و شرافت کا کہ بہشت بریں سے خلق خدا کو تازہ اور ٹھنڈی ہوا سے سرافراز کرتی ہے۔[3]

ابو المفاخر رازی (چھٹی صدی ہجری کے ایک شیعہ شاعر) اپنے مشہور قصیدے میں خورشید و صبح کی توصیف و تعریف میں کہتے ہیں:

مہر بہ خوناب گرم غرق شدہ چون حسینؑ صبح بہ الماس قہر خستہ شدہ چون حسنؑ

خورشید گرم خون کے دریا میں امام حسینؑ کی طرح غرق ہے اور صبح، الماس کے قہر سے حسن کی طرح خستہ و دل شکستہ ہے۔

قوامی رازی (چھٹی صدی ہجری کے مشہور شیعی شاعر) اپنے اہم ترین منظوم میں جو امام حسینؑ کے سوگ میں ہے، یوں رطب اللسان نظر آتے ہیں:

سینہ دریدہ، حلق بریدہ، فکندہ دست غلتان بہ خون و خاک، سر از تن شدہ
سینہ فگار، حلق بریدہ تو بازو شل غلطیدہ خاک و خون میں ہے تن

۱۔ صفا، ج۱، ص ۶۸، ۱۳۵۵
۲۔ امین ریاحی، ۷۰-۶۹، ۱۳۶۷
۳۔ سنائی، ص ۲۶۶، ۱۳۴۴

بر سینہ عزیز تو بر اسب تاختہ ای ہمچو مصطفیٰ ز ہمہ عالم
دوڑائے تیرے سینے پہ گھوڑے ستم شعار اے مصطفیٰ کی طرح تمام خلائق میں مصطفیٰ[۱]

خواجوی کرمانی (ساتویں صدی ہجری کے مشہور شاعر و عارف) اپنی ایک خوبصورت اور بلند ترکیب میں سیدالشہداء کے مقتل کے بارے میں یوں رطب اللسانی کرتے ہیں:

حدیث مقتل او گر بہ گوش کوہ رسد شود ز خون دل ، اجزای او عقیق

اگراس کے مقتل کی حدیث غم واندوہ پہاڑ سن لے تو خون دل کی حرارت سے اس کے اجزاء، عقیق مذاب ہو جائیں۔

وگر سپھر برد نام آتش جگرش کند بہ اشک چو پروین ستارگان راآب

اور اگر آسمان اس کے جگر کی سوزش کا ذکر زبان پر لائے تو پروین کی طرح اپنے آنسوؤں سے ستاروں کو پانی کر دے۔

بہ کربلا شد و کرب و بلا بہ جان بخرید گشود بال واز این تیرہ خاکدان بپرید

کربلا روانہ ہوئے اور کرب و بلا کو اپنی جان کی قیمت پر خرید لیا، اپنے بال و پر پھیلائے اور مادی دنیا سے عالم بالا کی طرف پرواز کر گئے۔[۲]

ابن یمین فریومدی (آٹھویں صدی ہجری کے بزرگ ترین قطعہ سرا اور شیعی مذہب شاعر) بروز محشر فاطمہ بنت پیغمبر ﷺ کی اپنے بیٹوں کے قاتلوں کی خدا کی بارگاہ میں شکایت کو یوں رقم کرتے ہیں:

ندارد کسی طاقت دیدنش ز بس گریہ و سوز نالیدنش

کسی کے پاس دیکھنے کی طاقت نہیں ہے اس قدر آپ کے نالہ و گریہ میں سوز و گداز ہے

بہ یک دوش او بر یکی پیرھن بہ زھر آب آلودہ بھر حسن

آپ کے ایک دوش پر حسین کا خون آلود کرتا ہے اور دوسرے دوش پر حسن (ع) کا زہر آلود پیرہن ہے۔

ز خون حسینش بہ دو تیر اگر فرو ھشتہ آغشتہ دستار سر

آپ کے میوہ دل حسین کے فرق مبارک پر لگے ہوئے دو تیروں کی وجہ سے عمامہ سر بھی خون میں تر ہے۔

۱۔ قوامی رازی، ص ۱۲۵، ۱۳۷۴ھ
۲۔ خواجوی کرمانی، ۶۰۶، ۱۳۶۹ش

بگوید کہ خون دو والا گھر   از این ظالمان ھم تو خواھی مگر

کہہ رہی ہیں کہ خدایا کیا تو میرے ان دونوں فرزند کے خون کا بدلہ ان ظالموں سے نہ لے گا۔[۱]

شاہ نعمت اللہ ولی (آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے مشہور عارف وشاعر) اپنے دیوان میں جابجا اہلبیت عصمت و طہارت اور اس خاندان کے سید الشہداء سے اپنے عشق و محبت کا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

چون شہید کربلا در کربلا آسودہ است   ہمچو یاران موالی کربلا را دوست دار

چونکہ شہید کربلا سرزمین کربلا میں آرام فرمارہے ہیں اس لئے کربلا سے غلامان انصار کی طرح ٹوٹ کر محبت کرو۔[۲]

گر بلایی آید از عشق شہید کربلا   عاشقانہ آن بلا را مرحبا باید زدن

اگر شہید کربلا سے عشق کے نتیجے میں کسی مصیبت کا سامنا ہو تو عاشقانہ انداز میں اس مصیبت کو گلے لگاتے ہوئے اس مصیبت کا استقبال کرو۔[۳]

من حسینی مذہبم ای یار من   یافتہ ام تعظیم از خلق حسن

اے میرے دوست میں حسینی مذہب ہوں اور مجھے خلق حسن سے عظمت و بزرگی ملی ہے۔[۴]

اس درمیان ابن حسام خوسفی (نویں صدی ہجری کے شیعہ مذہب عالم) نے ایک ممتاز مقام و مرتبہ حاصل کیا کیونکہ ان کے مجموعہ اشعار سے ائمہ معصومینؑ کی شان میں مراثی و قصائد پر مشتمل ایک مستقل دیوان وجود میں آیا ہے۔

دلم شکستہ و مجروح و مبتلای حسین   طواف کرد شبی گرد بلای حسین

میرا دل شکستہ و مجروح اور غم حسین میں مبتلا ہے، ایک رات اس نے کربلائے حسین کا طواف کیا۔

شکفتہ نرگس و نسرین و سنبل تر دید   ز چشم و جبہہ و جعد گرہ گشای حسین

نرگس شکفتہ اور نسرین و سنبل تر نے چشم وپیشانی اور گیسوئے خمدار حسینؑ سے اعجاز گرہ کشائی دیکھا ہے۔[۵]

اہلی شیرازی (نویں صدی ہجری کے نامور شاعر) بھی امام حسینؑ کے غم میں اپنے مخلصانہ اشعار کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

۱۔ فریومدی، ۵۹۰-۵۸۹، ۱۳۴۴ش

۲۔ ولی، ص ۳۱۸، ۱۳۷۳ش

۳۔ سابق حوالہ، ص ۶۶۳-۶۶۲

۴۔ سابق حوالہ، ص ۸۲۱

۵۔ خوسفی، ص ۲۲۵-۱۳۶۶، ۲۲۳ش

آغشتہ شد بہ خون، سر وفرق کہ موی   خون در درون نافۂ تاتار کردہ است

سروفرق مبارک خون سے اس قدر رنگیں ہوا کہ موئے سر نے نافہ تاتار کے اندر خون بھر دیا ہے

قدر حسین کم نشد و شد عزیزتر   خود را یزید روسیہ و خوار کردہ است

حسینؑ کی قدر و منزلت میں کوئی کمی نہ ہوئی بلکہ اور زیادہ عزیز ہوگئے لیکن یزید روسیاہ نے خود کو ذلیل و خوار تر کر دیا۔[۱]

شعر فارسی میں یہ روش جاری و ساری رہی اور جب دسویں صدی ہجری میں صفوی حکومت بروئے کار آئی اور مذہب تشیع کو رسمیت اور قانونی حیثیت ملی تو یہ روش اس دور کے شعراء کے شعر میں اپنے معراج کمال کو پہونچی اور محتشم کاشانی اس کی زندہ مثال اور منھ بولتا ثبوت ہیں:

باز این چہ شورش است کہ در خلق عالم است
پھر موجودات عالم میں یہ شور و غل برپا ہے
باز این چہ نوحہ و چہ عزا و چہ ماتم است

پھر یہ نوحہ و عزا اور ماتم کیسا ہے اور کس لئے برپا ہے۔[۲]

حماسی (عاشورائی مذہبی) شعر: جدید مضامین، زبان وساخت وساز

قیام امام حسین علیہ السلام ایک طرف عام اور محیط انسانی اقدار، عدالت محوری، ظلم ستیزی، حریت طلبی وغیرہ کو پیش کرنے اور دوسری طرف ولایت، امامت، غدیر، انتظار اور تولا و تبرا جیسی نمایاں شیعہ تعلیمات اور بلند و بالا مقاصد کی ترویج و تبلیغ کے باعث اسلامی ادبیات بالخصوص نظم و نثر شیعہ میں ایک اثر گزار اور گرانقدر نمونے میں تبدیل ہوگیا اور کسی ایک زمانے میں وقوع پذیر ہونے کی حالت سے نکل کر تعمیم و توسیع کے ساتھ زمانہ سے فراتر اور حدود زمانہ سے آزاد ہوگیا۔ عاشورائی شعر قیام کربلا کے اس رخ سے اثر لیتے ہوئے دور تشکیل سے لے کر رونق و شگوفائی کے دور تک ایک فخیم وحماسی زبان اور منحصر بہ فرد مضامین سے فیضیاب ہوتے ہوئے بالتدریج

۱۔ صاحبکار، ص ۱۹۶-۷۹ ،۱۳، ۱۹۵ش
۲۔ محتشم کاشانی، ص ۲۸۸، ۱۳۴۴ش

اپنی لفظی و معنوی ساخت وساز اور خاص بیانی روش سے ہمکنار اور بہرہ مند ہوا اور چشم گیر اور قابل اعتناء آثار اور نمونوں کی تخلیق کر کے ایک مستقل شعری مکتب کی ایجاد اور اس سے اثر پذیری کی زمین ہموار کی۔

حماسی زبان اور عاشورائی مضامین کی دو خصوصیات گرانقدر اور جاوداں نمونوں کی تخلیق کے ہمراہ شیعی متدین شعراء کی تصویر پردازی اور مرثیہ سرائی کی ترقی و توسیع کیلئے ایک خطیر سرمایہ وخزانہ فراہم کرتی ہیں اور اس طرح عاشورائی شعر کو ایک شور انگیز اور سوز گداز سے بھرپور لحن اور حماسی روش ملتی ہے یہاں تک کہ خاندان پیغمبر کے غصب شدہ حق کے اثبات اور ان کے معارف اور رہائی بخش تعلیمات کی تبلیغ وترویج کے لئے ایک کلامی اور گفتاری میدان جنگ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

آئندہ بحث میں اس شعر کے جدید مضامین کو پیش کرتے ہوئے اس کی خاص زبان اور ساخت وساز کی بھی تحقیق و تبیین کی جائے گی۔

جدید مضامین پر مشتمل اشعار

حماسی (عاشورائی مذہبی) اشعار کے نمونوں کی یادآوری سے مندرجہ ذیل جدید مضامین کو ان اشعار میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔

۱۔ عاشورہ، استمرار ولایت وغدیر

کمیت نے ہاشمیات میں یوں رطب اللسانی کی ہے:

فما لیَ إلّا آل احمدَ شیعَةُ　　و ما لیَ إلّا مذھبَ الحقِ مَذْھبُ

میرا آل محمد کے علاوہ نہ کوئی دوست اور حامی وطرفدار ہے اور نہ مذہب شیعہ کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب۔

بأَیِّ کتاب اَم بأَیَّةِ سُنَّھةٍ　　تَری حُبّھم عاراً علیَّ و تحسبُ

کس کتاب اور کس سنت کی رو سے میری ان سے دوستی و محبت کو ننگ و عار سمجھتے ہو۔

وَ مِن اَکبرِ الاحداثِ کانَتْ مصیبةً　　عَلینا قتیلُ الأَدْعیاءِ المُحلَّبُ

اور سب سے بڑا حادثہ وہ کوہ مصیبت والم ہے جو ہم پر ٹوٹا اور وہ دشمنوں کے ہاتھوں ہمارے شہیدوں کے اجسام وابدان کا پارہ پارہ ہونا ہے۔

قَتیلٌ بجَنْبِ الطَّفِّ مِنْ آل ھاشَمٍ　　فَیَا لکَ لَحماً لَیس عنہُ مذَ بَّبٌ

خاندان ہاشم کا شہید جس کا لاشہ بے سر خاک گرم کربلا پر پڑا ہوا تھا اور اس کا کوئی حامی اور مددگار نہیں تھا

و مُنعَفِرُ الخَدَّینِ مِن آلِ هاشمٍ   الَاحَبَّذا ذاکَ الجَبینُ المُتَرَّبُ

خاندان ہاشم کے اس شہید کے خاک آلود دونوں رخساروں پر لاکھوں سلام اور کیا کہنا اس خاک آلود پیشانی کا جس کا بوسہ رسول گرامی اسلام لیتے تھے۔

یا دعبل اپنے رثائی کلام میں استمرار مذکور کی کچھ اس طرح منظر کشی کرتے ہیں:

وَ لَو قَلَّدُوا المُوصی الیه اُمورَها   لزُمَّتْ بِمأمونٍ عَنِ العَثَراتِ

اگر زمام امور خلافت اس کے حوالے کردیتے جس کے بارے میں پیغمبر نے سفارش کی تھی تو بلا شک و شبہ لغزشوں سے محفوظ رہتے۔

فَاِن جَحَدُوا کانَ الغدیرُ شَهیدَه   وَ بدرٌ وَ احدٌ شامِخُ الهَضَباتِ

اگر اس کی ولایت و خلافت کا انکار کردیا تو کیا ہوا، غدیر خم کا میدان اور بدر و احد کی بلند و بالا پہاڑیاں اس بات کی گواہ ہیں۔

اَفَاطِمُ لَو خِلْتِ الحسینَ مُجَدَّلاً   وَ قَد ماتَ عطَشْانا بِشَطِّ فُراتٍ

اے فاطمہ (ص) اگر تمھیں معلوم ہوتا کہ ایک دن تمہارا حسین شط فرات کے کنارے خاک و خون میں غلطاں، لب تشنہ اپنی جان جان آفریں کے حوالے کرے گا۔

اِذاً لَلَطَمْتِ الخَدَّ فَاطِمُ عندہ   وَ اَجرَیْتِ دَمْعَ العینِ فِی الْوَجَناتِ

تو اے فاطمہ (ص) اس وقت اپنے منھ پر طمانچے مارتیں اور اشکوں کا سیلاب اپنے رخساروں پر جاری کرتیں۔

اَفاطِمُ قُومِی یا ابنۃَ الخَیرِ وَ انْدُبِی   نُجُومَ سماواتٍ بِأرضٍ فلاۃٍ

اے فاطمہ (ص)! اے دختر خیر البشر! اٹھیں اور صحرائے بے آب و گیاہ میں آسمان نبوت و امامت کے بکھرے اور ٹوٹے ہوئے ستاروں کا ماتم کریں۔[1]

فردوسی اس حوالے سے یوں رطب اللسان نظر آتے ہیں:

اگر چشم داری بہ دیگر سرای   بہ نزد نبی و وصی گیر جای

اگر دوسری دنیا پر تمھاری نظر ہے تو نبی اور وصی نبی کے نزدیک مقام و منزلت حاصل کرو۔

۱۔ خزاعی، ص ۷۰-۱۹۷۸،۶۹ء

هر آن کس که در دلش بغض علی   از او خوارتر در جهان زار کیست

ہر وہ شخص جس کے دل میں علیؑ کا بغض ہے اس سے زیادہ خوار و ذلیل اور پست اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔[۱]

کسائی مروزی منکرین ولایت امیر المؤمنینؑ کو شائستہ دوزخ اور بہشت بریں سے محروم جانتے ہیں:

بی تولا بر علی و آل او دوزخ تو راست   خوار و بی تسلیمی از تسنیم و خلد برین

علی اور آل سے تولا اور محبت و دوستی کے بغیر تو شائستہ دوزخ ہے، ذلیل و خوار اور تسنیم و خلد بریں سے محروم ہے۔[۲]

ناصر خسرو قبادیانی شعر فارسی کے گرانقدر قصیدہ سرا اس طرح غدیر کے عہد شکنوں کا ذکر کرتے ہیں:

از قول عهدی که کردی بر همه روز   چون فراز نشتر جهانند و رمانند ای

سود دنیا را همی جویند و نیندیشند هیچ   گرچه از دین و شریعت بر زیانند ای

بروز عید غدیر جو آپ نے سب سے امیر امؤمنین کی ولایت و سرپرستی کا عہد و پیمان لیا اے رسول گرامی اسلامؐ اس کو سب نے ایک افسانہ سمجھ کر بھلا دیا۔

اے رسول گرامی اسلامؐ! سب کو دنیاوی فائدے کی فکر ہے اور اس کے علاوہ ان کا کوئی اور ہم و غم نہیں ہے، بھلے ہی دین و شریعت سے تہی دست اور بے بہرہ ہوں۔[۳]

۲۔ ظلم ستیزی اور عدالت محوری

ظالموں اور ستمگاروں کے سامنے استقامت و پائیداری کا جذبہ اور عدالت و مساوات کی طرف میلان و رغبت شعر عاشورائی کی دائمی بنیاد شمار کی جاتی ہے۔

أَلَمْ يَحزُنكَ أَنَّ بني زِياد   أَصابُوا بِالتُّراب بَنِي النَّبِيّ

وَ أَنَّ بَنِي الحِصان يَمُرُّ فِيهِم   عَلانيةً سيوفُ بني البَغِيّ

کیا تم اس بات سے رنجیدہ دل اور کبیدہ خاطر نہیں ہوتے کہ فرزندان پیغمبر کو فرزندان زیاد نے خاک و خون کے دریا میں غرق کر دیا اور علانیہ ان پاک طینتوں پر فرزندان ستم پیشہ نے تلواریں علم کیں[۴]؟

۱۔ فردوسی، ج۱، ص ۷۷، ۱۳۱۵ش

۲۔ امین ریاحی، ۴۸، ۱۳۶۷

۳۔ ناصر خسرو، ۳۰۴، بی تا

۴۔ خزاعی، ۱۶۳، ۱۹۷۸ء

یا ابن رومی اپنے قصیدہ جیمیہ میں اہلبیتؑ اور امویوں کے فرزندوں اور عزیزوں کے درمیان موجود تبعیض اور بے عدالتی کو یوں بیان کرتے ہیں:

أَفِي الحَقِّ أَن يُمْسُوا خِماصاً وَ أنتُم — يَكادُ أخُوكُم بِطْنَةً يَتَبَعَّجُ
تَمَشُّونَ مُختالِينَ فِي حُجُراتِكُم — ثِقالُ الخَطا أَكفا لُكُم تَتَرَجْرَجُ
وَلِيدُهُم بَادِي الطَّوَى وَ وَلِيدُكُم — مِن الرِّيفِ رَيَّانُ العِظامِ خَدَلَّجُ

کیا یہ حق وانصاف ہے کہ وہ بھوکے سوئیں اور خالی پیٹ رات بسر کریں لیکن تمہارے بھائی بندو اور نزدیکی افراد شکم سیری کی وجہ سے پھٹ جائیں۔
تم اپنے حجروں میں غرور وتکبر کے ساتھ چلتے پھرتے ہو اور موٹاپے کی شدت سے پیروں کو سنگینی کے ساتھ زمین پر رکھتے ہو اور تمہارے کولہے راستہ چلتے وقت اوپر نیچے ہوتے رہتے ہیں۔
ان کے بچے گرسنگی اور شکم تہی کی وجہ سے نحیف ونزار اور تمہارے بچے ان کی ہڈیاں مضبوط اور پر گوشت ہوں؟!
سنائی غزنوی (پانچویں اور چھٹی ہجری کے نامور عارف وحکیم اور شاعر) کہتے ہیں:

سراسر جملہ عالم پر شہید ست — شہیدی چون حسین کربلا کو

پوری دنیا شہیدوں سے بھری پڑی ہے لیکن تاریخ عالم وآدم میں حسین کربلا جیسا شہید کہاں؟۔[۲]
ایک اور مقام پر کہتے ہیں:

حبذا کربلا و آن تعظیم — کز بهشت آورد به خلق نسیم
و آن تن بریده در گل و خاک — و آن عزیزان به تیغ دل ها چاک
و آن تن سر به خاک غلطیده — تن بی سر بسی بد افتاده
و آن گزین همه جهان کشته — در گل و خون تنش بیاغشته

کیا کہنا سرزمین کربلا اور اسکی عظمت وشرافت کا جو خلائق کے لئے بہشت سے ٹھنڈی اور ملائم ہوا لاتی ہے۔
خاک وگل میں وہ تن بریدہ اور پیارے جن کے دل تیغ جفا سے چاک چاک ہیں۔
اور وہ جسم اطہر جو خاک کے دریا میں ڈوبا ہوا ہے اور وہ تن بے سر جو خاک گرم کربلا پر بے بسی کے عالم میں پڑا ہوا ہے۔

۱۔ اصفہانی، ۶۵۸-۶۵۷، بی تا
۲۔ سنائی، ص ۲۸۹، ۱۳۸۱ش

اور وہ بر گزیدہ عالمیان، قتل کے بعد جس کا جسم نازنین، خاک وخون میں نہایا ہوا ہے۔[۱]
قوامی رازی (چھٹی ہجری کے نصف اول کے شیعی شاعر) یوں فرماتے ہیں:

روز دھم ز ماہ محرم بہ کربلا ظلمی صریح رفت بر اولاد مصطفیٰ ؐ
ہرگز مباد روز چو عاشور در جھان کان روز بود قتل شہیدان بہ کربلا
آن تشنگان آل محمد اسیروار بر دشت کربلا بہ بلا گشتہ مبتلا
میر و امام شرع، حسین علیؑ کہ بود خورشید آسمان ھدی، شاہ اوصیا
از چپ و راست حملہ ھمی کرد چون تا بود در تنش نفسی و رگ بہ جا[۲]

ماہ محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو کربلا میں اولاد مصطفیٰ پر ایسا صریح ظلم ہوا کہ بس۔
دنیا میں اب کبھی عاشورا جیسا دن نہ آئے جس دن کربلا میں شہیدوں کے خون کی ہولی کھیلی گئی۔
وہ تشنگان آل محمد بعد شہادت حسین کربلا میں اسیر ہو کر مصائب وآلام میں گرفتار ہوئے اور انھیں شہر بہ شہر اور دیاد بہ دیار پھرایا گیا۔

حسین بن علیؑ جو میر کارواں اور امام شرع متین تھے، مہر آسمان ہدایت اور شاہ اوصیاء تھے۔
باپ کی طرح برابر ادائیں اور بائیں جب تک جسم میں جان رہی اور رگ حیات پھڑکتی رہی حملہ کرتے رہے۔

۳۔ جہاد و شہادت کے آئینی اور دینی مفاہیم کی اثر گزار اور جدید منظر کشی

سفیان بن مصعب عبدی کوفی (دوسری صدی ہجری کے دیندار شاعر) یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

لَقَد هَدَّ رُکنِی رُزْءُ آلِ مُحمدٍ وَ تِلک الرَّزایا و الخُطوبُ عِظامُ
وَ اَبکَتْ عُیونی بالفُراتِ مَصارِعُ لِاٰلِ النَّبِیِّ المُصطَفٰی وَ عِظامُ

آل محمدؐ کی مصیبت نے میرے رکن وجود کو لرزہ براندام کر دیا اور یہ مصائب بہت بڑے ہیں۔
میری آنکھوں سے نہر فرات کے کنارے خاندان پیغمبر برگزیدہ کے بزرگواروں کے خاک وخون میں غلطاں لاشوں کیلئے اشکوں کا سیلاب جاری ہوا۔

منصور نمری، ایک شور انگیز بیان میں فرزندان پیغمبر کی جانگداز شہادت اور ان کے مقدس جہاد میں اپنی شرکت کی آرزو کو یوں بیان کرتے ہیں:

۱۔ سنائی، ص ۲۶۶، ۱۳۴۴ش
۲۔ قوامی رازی، ص ۱۲۵، ۱۳۷۴ھ

وَ قَد شَرَقَتْ رِماحُ بَنَی زِیاد　　بِرَیّ مِن دِماءِ بَنِی الرّسول
بَرِئْنا یا رسولَ اللهِ مِمَّن　　اَصابَکَ بِالأَذاةِ وَ بِالذّحول
أَلاَ لَیتَنی وَصَلتُ یَمِینی　　هُناک بِقائِمِ السَّیفِ الصَّقِیْلِ
فَجُدتُ عَلیَ السُّیوفِ بِحَرِّ وَجْهِی　　وَ لَمْ اَخْذَل بَنِیْکَ مَعَ الخَذُولِ

بنی زیاد (اور اس کے طرفداروں) کے نیزے اولاد رسول کے خون سے سیراب ہوئے۔
اے رسول خدا ہم ان سے اپنی برائت کا اعلان کرتے ہیں جنہوں نے اس جنایت کا ارتکاب کرکے آپ کو اذیت پہونچائی اور آپ سے دشمنی پر کمر بستہ ہوئے۔

اے کاش میں وہاں موجود ہوتا اور تیز دھار تلوار کے قبضے پر میرا ہاتھ ہوتا۔
اور میں اپنے برافروختہ چہرے کی حرارت اور گرمی شمشیروں کو بخش دیتا اور آپ کی اولاد کو خوار کرنے والے اس عمل میں کبھی ذلت پیشہ افراد کا ساتھ نہ دیتا۔

سنائی غزنوی بے پردہ اور رائج مصلحت پسندی سے دور ہو کر اس بارے میں کہتے ہیں:

و آنچنان ظالمان بدکرار　　کردہ بر ظلم خویشتن اصرار
حرمت دین و خاندان رسول　　جملہ برداشتہ ز جھل و فضول
کردہ آل زیاد و شمر لعین　　ابتدای چنین تبہ در دین[1]

بدکردار ظالموں نے اس قدر اپنے اوپر ظلم پر اصرار کیا کہ خدا کی پناہ۔
دین خدا اور خاندان رسول کی حرمت کو اپنی جہالت و نادانی اور بیہودہ گوئی سے تار تار کیا۔
آل زیاد اور شمر لعیں نے دین میں اس طرح تباہی کی ابتداء کی۔

۴۔ مصلحت پسندی کی جگہ حق گوئی

کمیت نے ہاشمیات سے متعلق اپنے قصیدہ میں بڑی دلیری اور بے باکانہ انداز میں مصلحت پسندی کی جگہ حق گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے غاصبان خلافت کے مکروہ چہروں اور بنی امیہ کی بد اعمالیوں کو اس انداز میں برملا کیا:

۱۔ سنائی، ص ۲۶۶، ۱۳۸۱

فَلَمْ أَبْلُغْ بِها لَعناً و لکنْ أَساءَ بذاکَ أَوَّلُهم صَنیعا
فصارَ بِذاک أَقرُبهُم لِعَدْل إِلی جَورٍ وَ أَحفَظهم مُضِیعا
أَضاعُوا أَمرَ قائِدِهِم فَضَلُّوا وَ أَقوَمُهم لَدَی الحدَثَان ذَرِیعا
تَنَاسَوا حقَّه وَ بَغُوا عَلیه بِلاتِرَةٍ وَ کان لهم قَرِیُعا
فَقُل لِبنیِ اُمَّیَّه حیثُ حَلُّوا و إِن خِفْتَ الْمُهَنَّدُ وَ القُطِیعا[1]

میں ان پر لعنت نہیں بھیجوں گا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ ان کے اول نے بہت ہی برا کام کیا ہے۔

اور اس کام سے دوسرا شخص بھی جو دوسروں کے مقابلے عدل وداد سے نزدیک تر لگتا تھا ستمگار ہو گیا۔

انھوں نے اپنے قائد اور رہبر کے فرمان کو جو حوادث روزگار میں سب سے زیادہ استوار اور جوانمرد تھا، تباہ و برباد کر دیا اور گمراہی کا شکار ہو گئے۔

اس کے حق کو بھلا دیا اور اس پر ستم روا رکھا باوجودیکہ اس کی کوئی خطا نہ تھی جبکہ وہ ان کا سید و سردار تھا۔
بنی امیہ جہاں کہیں بھی نظر آئیں اور ملیں ان سے کہہ دو، اگرچہ ان پر تلوار کھینچنے اور جلاوطن کرنے سے ڈرتے ہو۔
سنائی اس بارے میں یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

آن کہ را عمر و عاص باشد پیر یا یزید پلید باشد میر
مستحق عذاب و نفرین است بدرہ و بد فعال و بد دین است
لعنت دادگر بر آن کس باد کہ مر او را کند بہ نیکی یاد
من نیم دوستدار شمر و یزید ز آن قبیلہ منم بہ عہد بعید
ھر کہ راضی شود بہ بد کردن لعنتش طوق گشت در گردن[2]

جس کا پیر و مرشد عمرو عاص ہو یا یزید اس کا امیر ہو، وہ عذاب و نفرین کا مستحق ہے اور گمراہ و بدکردار اور بے دین ہے۔ اس شخص پر عدل وداد کے دلدادہ کی لعنت ہو جو ایسے شخص کو خیر و نیکی کے ساتھ یاد کرے۔ میں یزید و شمر کا دوستدار نہیں ہوں، میرا اس قبیلے سے ایک عہد کا فاصلہ ہے لیکن جو شخص کسی کے ساتھ برا کرنے پر راضی و خوشنود ہو طوق لعنت اس کی گردن میں ہو۔

۵۔ تاریخ اسلام کے مسلم الثبوت حوادث و وقائع سے استدلال اور اشارے

۱۔ امینی، ج ۲، ص ۱۸۱-۱۴۱۶، ۱۸۰ھ/۱۹۹۵ء
۲۔ سنائی، ص ۲۶، ۴۴ ۱۳ش

عاشورائی شعراء چونکہ تاریخ اسلام کے اہم حوادث و وقائع پر کامل تسلط رکھتے ہیں، اس لئے زیرکی اور مہارت کے ساتھ ان سے اہلبیت عصمت و طہارت کے فضائل کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

کمیت نے یوں خامہ فرسائی کی ہے:

وَرَدَّم اَبوابَ الّذین بَنیٰ لَھم بُیوتاً سِویٰ ابوابِہ لَمْ یَردّم[1]

اس گھر کے دروازہ کے علاوہ جن لوگوں کے بھی گھر کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے حکم خدا سے مسدود کردئے گئے۔

کسائی مروزی سورہ مبارکہ آل عمران کی ۶۱ ویں آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نجران کے مسیحیوں کے ساتھ مباہلہ کی تاریخی روئیداد کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

فضل زین الاصفیاء داماد فخر انبیاء کافریدش خالق خلق آفرین از آفرین

"قل تعالوا ندع" برخوان ورندانی گوش لعنت یزداں ببین از "نبتھل" تا "کاذبین"[2]

برگزیدگان خدا کی زینت اور فخر انبیاء کے داماد کی فضیلت کا کیا کہنا کہ خالق خلق آفریں نے اس کو بطریق احسن خلق کیا۔ "قل تعالوا ندع" کی تلاوت کرو اور اپنے گوش رندانہ کو بروئے کار لاؤ اور "نبتھل" سے "کاذبین" تک خدا کی لعنت دیکھو۔

عطار نیشاپوری امام علیؑ کی جانب سے فقیر و مسکین و اسیر کو تین روٹیاں عطا کرنے کے بارے میں یوں نغمہ سرائی کرتے ہیں:

زمشرق تا بہ مغرب گر امام است علی و آل او مارا تمام است

گرفتہ این جھاں وصف سہ نانش گذشتہ ازان جھان وصف سہ نانش[3]

مشرق سے مغرب تک اگر کوئی امام ہے تو ہمارے لئے علیؑ اور آل علیؑ کافی ہیں، ہمیں کسی اور کی ضرورت نہیں۔ اس دنیا میں اگر ان کے سنان کی دھوم ہے تو اسی دنیا میں ان کی تین روٹیوں کی بھی دھوم ہے۔

۱۔ امینی، ج ۲، ص ۱۴۱۶، ۱۹۵ھ، ۱۹۹۵ء

۲۔ امین ریاحی، ۱۳۶۷،

۳۔ شوشتری، ج ۲، ص ۱۳۷۷، ۱۰۰ش

زمان شکنی اور زمانے سے فراتر ہونا

حوادث کی تعریف و توصیف اور مضامین کو جہت دینا

شیعی حماسی (آئینی) شاعری (وہی مرثیہ کی بدلی ہوئی شکل) عام اور احاطی انسانی قدروں (جیسے عدالت محوری، ظلم ستیزی، تبلیغ و ترویج مقاصد) اور شیعی نمایاں تعلیمات (جیسے امامت، غدیر، انتظار، جہاد و شہادت) کو اسلامی ادبیات بالخصوص شیعی ادب میں پیش کرنے کی وجہ سے، ایک بہترین نمونے میں تبدیل ہو گئی اور کسی ایک زمانے میں محدود رہنے کی حالت سے باہر آگئی اور تعمیم و توسیع کے ساتھ لازمانی اور زمانے سے فراتر ہو گئی۔ عربی و فارسی کے جو نمونے پیش کئے گئے ان سب میں یہ خصوصیت موجود ہے۔

۷۔ دینی دیرپا اور جاوداں اقدار کی تبیین و تبلیغ اور تشیع کے انقلابی مقاصد و اغراض کی ترویج

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، حریت و آزادی ایثار و فداکاری، وفا و جوانمردی، صبر و شکیبائی، یہ وہ اقدار ہیں جن میں قیام عاشورا کے بعد دوبارہ جان آئی اور شعر عاشورائی میں ان کی تاثیر سے ان کو طراوت و تازگی اور غنائیت ملی۔ عربی و فارسی ادب میں موجود گزشتہ تمام نمونے نیز میمیہ کمیت، تائیہ دعبل، جیمیہ ابن رومی اور دوسرے تمام عاشورائی اشعار ایسی درخشان اور اثر گزار تصویر سازی اور منظر کشی سے مملو ہیں۔

شعر عاشورائی میں کلمہ و کلام اور ان اشعار کی زبان اور ساخت وساز

''کلمہ'' تمدن و اصطلاح وحی میں محض ایک لسانی اکائی نہیں ہے بلکہ اسماء و صفات الٰہی کی تجلی کا مظہر، عالم اصغر اور عالم اکبر کے درمیان حلقہ اتصال اور ایک آئینہ جو تمام موجودات عالم میں فیضان الٰہی کے دوام اور زندگی و عشق کی حرارت کے استمرار کو منعکس کرتا ہے۔ شعری کلمہ شیعی شاعر کے تجربے میں عادی سرحدوں سے گزر کر تصویر و موسیقی اور خیال واحساس کے ہمراہ ایک ایسی دنیا میں قدم رکھتا ہے جو ولی اللہ الاعظم اور قلب عالم امکان کے پیمان کی روایت سے ایک ماوراء خوشبو سے معطر ہوتا ہے اور پابند عہد اور ذمہ دار شیعہ کے کلام و شعر کو ایک خاص لفظی و معنوی ساخت کے ہمراہ اپنی صحیح جگہ قرار دیتا ہے۔ اس کے بعد شعر، شیعہ کو حماسہ عاشورائی کی تصویر اور منظر کشی کمال کی فراہم کرتا ہے اور خاص زبان اور قالب کے سبب وہ گرانقدر اعتقادی مضامین اور اقدار کو شور واحساس، غم واندوہ اور عشق و آرزو سے مخلوط کر دیتا ہے اور حقائق کی جبین پر ایک داستان رقم کرتا ہے، ساخت وساز میں تبدیلی، مضمون میں انقلاب و دگرگونی، صداقت احساس، شور باطنی اور مضامین سے تصویری زبان کی مکمل ہم آہنگی، شعر عاشورائی کی زبان اور ساخت وساز کی نمایاں خصوصیت شمار ہوتی ہے [1]:

۱۔ مضمون میں نوآوری اور انقلاب کے موارد اور مصادیق کو حماسی [عاشورائی مذہب] شعر کے جدید مضامین کی تحقیق کے شعبے میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

۱۔ساخت وساز میں سنت شکنی اور تبدیلی

کمیت نے اپنے قصیدہ میمیہ اور بائیہ میں ابو نواس عصر عباسی اول کے نوآور شاعر سے برسوں پہلے کھنڈرات، قدیم بوسیدہ محلوں، خانہ محبوب اور بادیہ وصحراء کی یاد سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے قدیم عربی قصیدہ کی ساخت وساز اور بناوٹ کو بدل کر رکھ دیا۔

مَن لِقَلبٍ مُتَيَّمٍ مُستَهامٍ غَيرِ ما صَبوَةٍ وَلا أَحلامٍ

کون ہے جو شیفتہ ومشتاق دل کی فریاد کو پہونچے گا، وہ دل شیفتہ وعاشق جونہ ہوا وہوس کے درپے ہے اور نہ کوئی آرزو رکھتا ہے؟۔

یہ بیت بھی ملاحظہ کیجئے:

طَرِبتُ وَ ما شوقًا إلى البِيضِ أَطرَبُ وَ لاَ لِعِباً مِنّي وَ ذُو الشَّيبِ يَلعَبُ

شوق واشتیاق کے ساتھ آیا تو ہوں لیکن سفید اندام خوبروؤں کے شوق دیدار میں اور، لہو لعب کیلئے نہیں آیا ہوں، کیا مجھ جیسا پیر فرتوت اور سالخوردہ شخص لہو ولعب میں مشغول ہوتا ہے؟۔

سنائی غزنوی بھی اسی روش کی رعایت کرتے ہوئے اہلبیتؑ اور اولیائے وانبیاء خدا علیہم السلام کی شان میں اپنے قصیدے کاآغاز کرتے ہیں:

جہان پردرد می بینم درا کو دل خوبان عالم را وفا کو
ور از دوزخ ھمی ترسی شب و روز دلت پردرد و رخ چون کھربا کو
بہشت عدن را بتوان خریدن ولیکن خواجہ را درکف بھا کو [1]

دنیا کو درد و کرب کے سمندر میں ڈوبا ہوا دیکھ رہا ہوں مگر دوا کہاں، دنیا کے پری چہرہ لوگوں کے دل میں وفا کہاں؟ تو دوزخ سے ہمیشہ دن رات خوفزدہ رہتا ہے لیکن بجلی جیسے تیرے دل اور رخ پر وہ حرارت سوزش کہاں؟۔
بہشت عدن کو خریدا جاسکتا ہے لیکن شیخ کے کف دست اس کی قیمت کہاں؟۔

۲۔احساس صادق اور باطنی ولولہ وشور

نمری اس طرح صادقانہ اور عاشقانہ انداز میں اپنے باطنی جذبہ واحساس اور ولولہ واضطراب کی کربلا کی جانگداز

۱۔ سنائی، ص۲۸۹،۸۱،۱۳اش

روداد کی توصیف میں منظر کشی کرتے ہیں:

مَتیٰ یَشْفِیکَ دَمْعک مِنْ هُمُولٍ وَیَبْرُدُ بِقَلْبِکَ مِنْ غَلِیلِ
أَلا یا رُبَّ ذِی حُزْنٍ تَعایا بِصَبْرٍ فَاستَرَاحَ إِلی العَوِیلِ
قَتِیلُ ما قَتِیلُ بَنِی زِیادٍ أَلَا بِأَبِی وَأُمِّی مِنْ قَتِیلِ

کب یہ اشکوں کا جاری سیلاب تمہیں شفا دے گا اور تمہارے دل کے داغ و رنج کی سوزش اور تپش کو سرد کرے گا؟۔
خبردار، نہ جانے کتنے رنجیدہ دل اور کبیدہ خاطر صبر کرتے کرتے تھک جاتے ہیں یا نالہ و شیون کرتے کرتے ان کے بیقرار دل کو قرار آجاتا ہے۔
کیسے کشتگان جور و جفا ہیں جو فرزندان زیاد کی شمشیر ظلم کا نشانہ بن کر خاک گرم کربلا پر آرام کر رہے ہیں، ایسے کشتگان جور و جفا پر میرے ماں باپ قربان۔
کسائی مروزی (فارسی ادبیات میں عاشورائی شاعری میں پیش قدم) یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

بیزارم از پیالہ و ز ارغوان و لالہ ما و خروش و نالہ، کنجی گرفتہ مأوا
دست از جھان بشویم، عز و شرف مدح و غزل نگویم، مقتل کنم تقاضا
میراث مصطفیٰ را، فرزند مرتضیٰ را مقتول کربلا را، تازہ کنم تولا[1]

میں جام شراب اور ارغوان و لالہ سے بیزار ہوں ہم نے اور نالہ و فریاد نے کنج تنہائی کو اپنا ملجأ ماوی بنالیا ہے۔
دنیا سے دستبردار ہو گیا ہوں اور میں عز و شرف کا طلبگار نہیں ہوں، مدح و غزل سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہے میں تو مقتل حسین کا دلدادہ ہوں۔
میراث مصطفیٰ، فرزند مرتضیٰ اور مقتول کربلا کی تولا تازہ کرتا رہتا ہوں۔

۳۔ تخیلات کی شعری مضامین سے مکمل ہم آہنگی

یہ ائتلاف اور ہم آہنگی کچھ اس طرح ہے کہ اسلامی اور انسانی جاوداں اور اثر گزار اغراض و مقاصد اور مکتب تشیع کی خاص تعلیمات، ایک بامقصد حرکت کے ساتھ ایک مستقل نظام اور حماسی۔ عاشورائی مذہب۔ شعر کی خاص روش کو تحقق بخشتے ہیں۔ عربی و فارسی شعر کے جو نمونے پیش کئے گئے، ان میں یہ بات بخوبی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

۱۔ امین ریاحی، ص ۱۴۸، ۱۳۶۷

اغراض، مضامین اور لفظی و معنوی ساخت وساز کی تطبیقی تحقیق
حماسی (عاشورائی مذہب) شعر عربی و فارسی ادب کے شعبے میں

۱۔ شعری اغراض (مدح، وصف، مرثیہ، ہجو)

باوجودیکہ وہی قدیم شعری اغراض و مقاصد اس شاعری میں بھی موجود ہیں، لیکن ان اغراض سے کیسے اور کس طرح فائدہ اٹھایا جائے یہ چیز اس کو ایک مخصوص جلوہ اور مختلف کارکردگی عطا کرتی ہے۔ وصف، مدح، مرثیہ اور ہجو کا عربی ادبیات کی تاریخ میں ایک ذاتی اور ماہیتی استعمال ہے، باین معنی کہ ہر ایک شعری روش اسی کلی عنوان و ہدف [توصیف، مدح، ہجو اور مرثیہ] میں استعمال ہوتی ہے۔ لیکن حماسی (عاشورائی مذہب) شعر میں ان روشوں کا استعمال بطور آلہ اور اوزار کے ہوتا ہے اور ان سے دینی اغراض و مقاصد اور مذہبی مضامین اور اعتقادات کا کام لیا جاتا ہے۔

خاص موارد کا ذکر کرتے ہوئے اس کے دو نمونوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱/۱۔ وصف

دعبل خزاعی پہلے ان راتوں کی توصیف کرتے ہیں جب ماہرویان اپنے چہرے سے پردہ اٹھاتی تھیں اور وہ ایام کو ان کے دیدار کی سرمستی میں بسر کرتے تھے:

وِ إِذْ هُنَّ يَلْحَظْنَ الْعُيونَ سَوافِراً   وَ يَسْتُرْنَ بِالأَيدِی عَلَی الوَجَناتِ
وَ إِذْ كُلُّ يَومٍ لی بِلَحْظِیَّ نَشْوَةٌ   يَبِيتُ لَهَا قَلْبِی عَلی نَشَواتِ[۱]

اور جب وہ اپنے چہروں سے نقاب اٹھاتی ہیں اور اپنے رخساروں کو اپنے ہاتھوں سے ڈھانپ لیتی ہیں۔ ہر روز میری آنکھیں ان کی دیدار میں سرمست ہیں اور میرا دل اس مستی و شادمانی کو یاد کرکے رات کو دن کرتا ہے۔

لیکن اس کے بعد اس وصف کو دشمنان اہلبیت کی پیمان شکنی کیلئے تمہید و مقدمہ قرار دیتے ہیں:

هُم نَقَضُوا عَهدَ الِکتابِ و فَرْضَه   وَ مُحُکَمه بالزُّورِ وَ الشُّبهات[۲]

انھوں نے کتاب خدا کے عہد و پیمان، فرائض اور محکمات کو جھوٹ اور شبہات کا سہارا لے کر توڑ دیا اور پس پشت ڈال دیا۔

۱۔ خزاعی، ص ۸، ۱۹۷۸ء
۲۔ سابق حوالہ

قوامی شیرازی (چھٹی صدی ہجری کے نصف اوّل شیعی شاعر) شاعرانہ توصیف میں، ملکوتی ہلچلوں سے طبیعت اور اس کے جلووں کو آشوب و بے نظمی میں دیکھتے ہیں:

افتادہ غلغل ملکوت اندر آسمان   برداشتہ حجاب افق امر کبریا
خورشید و ماہ تیرہ و تاریک بر فلک   آرامش زمین شدہ چون جنبش ھوا[۱]

آسمان کے اندر ملکوت میں شور و غل برپا ہے، امر کبریا نے حجاب افق کو اٹھادیا ہے۔ فلک میں ماہ و خورشید تیرہ و تاریک ہیں، زمین کا آرام و سکون ہوا کی جنبش کی طرح تہہ و بالا ہے۔

کیونکہ پیغمبر[ص] زہرا [س] اور علی [ع] اپنے فرزند حسین کی شہادت میں سوگوار ہیں:

زهرا و مصطفیٰ و علی سوختہ ز درد   ماتم سرای ساختہ بر سدرہ منتھا
در پیش مصطفیٰ شدہ زهرای تنگدل   گریان کہ چیست درد حسین مرا دوا
فرزند من کہ ہست تو را آشنا بہ جان   در خون ھمی کند بہ مصاف اندر آشنا
او در میان آن ھمہ تیغ و سنان و تیر   دانی ھمی کہ جان و جگر خون شود مرا[۲]

۲۔۱۔ ہجو

ہجو و مذمت میں جہاں شعراء خود کو اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ دریافت صلہ کے عوض گستاخانہ پردہ دری کریں اور بری صفت کو بے پرواز بان پر لائیں، ہمارا شیعی شاعر ان زشت نمائیوں کی بے بدیل تصویر سازی کرکے ستمگر کے ظلم و ستم اور اس کی بے عدالتی و فریبکاری سے پیوند دیتا ہے تاکہ مقاومت و پائیداری اور مقصد براری کو اپنے مخاطب کے افکار و نظریات اور جان و دل میں زندہ رکھے:

أَجِنُّوا بَنِي العَبّاس مِن شَنَآنِكم   وَشُدُّوا عَلى ما فِي العِيابِ وَأَشرِجُوا
وَخَلوا وُلاةَ السُّوءِ مِنكُم وَغَيَّهم   فَأَحرَبِهِم أَن يَغرَقُوا حَيثُ لَجَّجُوا

اے بنی عباس اپنے کردار کی زشتی اور پلیدی کو چھپادو اور اس پردہ پوشی میں اپنے کینہ و دشمنی کے صندوق کو اچھی طرح مقفل کردو اور دشمنی کے پٹارے کو خوب اچھی طرح بند کردو۔

بدکردار فرمانرواؤں کو ان کی گمراہی کے ساتھ ترک کردو وہ اسی لائق ہیں کہ اپنی بدبختی اور گمراہی کے دلدل اور بھنور میں غرق ہو جائیں۔

۱۔ قوامی رازی، ص ۱۲۵، ۱۳۷۴ھ

۲۔ سابق حوالہ

اور پھر بعد کی ابیات میں ان کو ان کے ناخوش آئند انجام اور ہلاکت و نابودی کے بھنور میں سقوط کرنے سے ڈراتے ہیں اور رحمت خدا سے لو لگاتے ہوئے شیعوں کو حکومت حق کے قیام اور برپائی کی بشارت دیتے ہیں:

غُرِرتُم إِذَا صَدَّقتُم أَن حَالَةً　　تَدُومُ لَكُم وَ الدَّهرُ لَونانِ أَخرَجُ
لَعَلَّ لَهُم فِي مَنطَوى الغَيثِ ثَائِرا　　سَيَسمُو لَكُم وَالصُّبحُ فِي اللَّيلِ مَولَجُ

فریب کھا رہے ہو اگر یہ سمجھتے ہو کہ یہ حکومت و فرمانروائی تمہیں ہمیشہ حاصل رہے گی کیونکہ دنیا کے دو رنگ ہیں ایک سفید اور دوسرا سیاہ۔ کبھی اقبال ہے تو کبھی ادبار ہے۔
شائد وہ اس بارش (انقلاب و شورش) کے دور میں اپنی حکومت کی بدولت انتقام کی آگ بھڑکائیں تاکہ تم پر اپنی برتری اور تفوق کا سکہ جمائیں، کیونکہ صبح تاریکی کا دل چیر کر نمودار ہوتی ہے۔
سنائی غزنوی (چھٹی صدی ہجری کے شیعی شاعر) واقعہ کربلا اور اس کے بعد کے حوادث کی توصیف میں اس واقعہ جانکاہ کے ذمہ داروں کی یوں ہجو کرتے ہوئے لب کشائی کرتے ہیں:

عمرو عاص و یزید و ابن زیاد　　ہمچو قوم ثمود و صالح و عاد
بر جفا کردہ آن سگان اصرار　　رفتہ از رہ حقد بہ انکار
عالمی بر جفا دلیر شدہ　　روبہ مردہ، شرزہ شیر شدہ[1]

عمرو عاص، یزید و ابن زیاد یہ تینوں ثمود و عاد اور قوم صالح کی طرح ہیں۔ ان کتوں نے جور و جفا پر اصرار کیا اور دیرینہ کینہ و عناد کے باعث تمام چیزوں کا انکار کر دیا۔

ایک عالم نے جور و جفا پر نہایت دیدہ دلیری دکھائی اور روباہ مردہ شیر خشمناک ہو گئی۔
پھر وہ اس جنایت کو حق باطل کا ٹکراؤ اور قرآن و پیغمبرؐ اور آپ کے جانشین برحق علیؑ کی دشمنی میں قریش کے قدیم کینہ و عناد اور داغ کہنہ کی تازگی جانتے ہوئے کہتے ہیں:

کافران چون در اول پیکار　　شدہ از زخم ذوالفقار فگار
ہمہ را بر دل از علی صد داغ　　شدہ یکسر قریش طاغی و باغ
کین خود بازخواستہ ز حسین　　شدہ قانع بدین شماتت و شین
کردہ دوزخ برای خویش معد　　بو الحکم را گزید بر احمد[1]

ا۔ سنائی، ص ٢٦٦، ١٣٨١

کفار جنگ کے آغاز میں ذوالفقار کے ضربات زخم سے چھلنی چھلنی ہو گئے۔
سب کے دل پر علی کی شمشیر کے سیکڑوں داغ ہیں، قریش سب کے سب یکسر باغی و سرکش ہو گئے۔
اپنے کینہ وعناد کا بدلہ حسین (ع) سے لیا اور اس شماتت و ننگ وعار پر قانع ہو گئے۔
اپنے لئے دوزخ کا سامان مہیا کیا اور بوالحکم کو احمد مختار[۱] پر ترجیح دی۔

۲۔ مضمون و محتویٰ

جیسا کہ شعر عاشورائی کے مضمون اور ساخت وساز کی تحقیق کے شعبے میں بتایا گیا کہ شیعی پابند عہد اور ذمہ دار شعراء نے اس میدان میں واقعہ کربلا کے گوناں گوں پہلوؤں نیز شیعی معصوم رہنماؤں کی تعلیمات سے اثر اور سبق لیتے ہوئے جدید مضامین اور مطالب کا اضافہ کیا اور اپنے اشعار اور منظوم کلام کو ایک مقصد اور جہت دیتے ہوئے منحصر بہ فرد خصوصیات کے ساتھ ایک مستقل شیعی ادبی مکتب کی ایجاد کیے لئے حماسی (عاشورائی مذہب) شاعری کی تشکیل و تحول کی راہ ہموار کی۔ فارسی اور عربی ادب میں پیش کئے گئے نمونوں کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ عربی اشعار (پہلی صدی سے تیسری صدی تک) سابقہ طولانی، ادبی توانائی، شگوفائی وترقی کے دور سے گزر کر، پر بار لغوی گنجینوں کی فیضیابی، شعری زبان کی ارتقاء اور عروضی قوالب کے مکمل تجربہ کے بعد پختگی وانسجام کو پہونچے۔ لیکن فارسی اشعار اس رخ سے تشکیل وتحول کے ابتدائی دور میں ہیں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر، جہاد و شہادت ،امامت وولایت ،انتظار اور تقیہ جیسے جدید موضوعات کی ترتیب وآرائش اور متنوع مضامین کے انتقال میں اپنے تجربات کے ابتدائی مراحل سے گزر رہے ہیں اور اسی وجہ سے دوسری اور تیسری صدی ہجری، عربی کی برجستہ شعری تخلیقات سے کافی پیچھے ہیں اور بہت کم رقابت کر سکتے ہیں؛ لیکن گزرتے وقت کے ساتھ علمی قابلیت بڑھی اور جدت ونوآوری کا دامن وسیع ہوا اور اس طرح سے خاص طور پر ساتویں، آٹھویں اور نویں ہجری میں استوار ساخت اور اپنی پر شکوہ اور گرانقدر زبان سے فارسی شاعری فیضیاب ہوئی اور آخر کار دسویں ہجری میں شیعی صفوی حکومت بہ روئے کار آئی اور اس دور میں دیرپا، جاوداں اور کامل آثار کی تخلیق کا ایک سلسلہ چل نکلا اور اس کا قابل ذکر نمونہ محتشم کاشانی کے بارہ بند ہیں جن کی آج بھی مذہب تشیع میں دھوم ہے۔ محتشم کاشانی نے جہاں عربی شاعری کے گذشتہ نمونوں سے رقابت کی وہیں اپنے ہم عصر شعراء سے بھی شعر عاشورائی کی تخلیق میں کافی آگے نکل گئے۔ اور یہ بیت [باز این چہ شورش است کہ در خلق عالم است   باز این چہ نوحہ وچہ عزا وچہ ماتم است] اس بات کا منھ بولتا ثبوت ہے۔

۱۔ سابق حوالہ

۳۔ لفظی و معنوی ساخت

شیعی شعراء کی جانب سے انتقال و تبلیغ مفاہیم کے شعور، اسی طرح عاشورائی تعلیمات اور ان کی وسیع علمی و ادبی توانائی کی ضرورت کے ادراک نے ان مضامین و مفاہیم کے استعمال کو لفظی و معنوی ساخت و ساز کے شعبے میں امکان پذیر بنایا:

۱ر۳۔ عوام الناس کے درمیان رائج اور روزمرہ کی زبان کا استعمال۔

۲ر۳۔ انتخاب الفاظ کے میدان میں مکمل آزادی ہونا یا زینت وآرائش اور رائج اور متداول لفظی زینت وآرائش سے اجتناب اور لغوی تفحص و تحقیق میں افراط اور تفریط کا نہ ہونا۔

۳ر۳۔ اعتقادی الفاظ جیسے ولی، امام، ثاراللہ، الوتر الموتور، انتظار، حجۃ اللہ، بقیۃ اللہ وغیرہ کا بار معنائی کے ساتھ استعمال۔

۴ر۳۔ الفاظ وکلمات کی آہنگی اور موسیقی ہیئت کی تشخیص پھر شاعر کے ایجابی پہلو اور باطنی الہام سے اس کی ترکیب۔

۵ر۳۔ استقلالی حیثیت سے ہٹ کر شاعرانہ خیال کی صورتوں کے ارتباطی اور دلالتی پہلو پر توجہ۔

۶ر۳۔ حماسی اور احساساتی زبان کے درمیان ہم آہنگی وسازگاری اور شاعر کے مذہبی واعتقادی مضمون سے اس کا مضبوط رشتہ۔

۷ر۳۔ تشبیہات میں حسی رنگ آمیزی کا بکثرت استعمال اور جذبات واحساسات کو مزید برانگیختہ اور مہمیز کرنے کے لئے استعاروں کے ذریعے جان ڈالنا۔

۸ر۳۔ سلسلۂ نبوت کی خلافت وولایت کی حقانیت کے اثبات اور ان کے فضائل کو عرصۂ شہود پر لانے کے لئے ہنرمندانہ ساخت وباخت میں آیات قرآنی اور معارف دینی سے مأخوذ تمثیلی تشبیہات کا سہارا لینا۔

ہاشمیات کمیت، تائیہ دعبل، جیمیہ ابن رومی کے بلند و بالا اور مشہور رجز اور منظوم کلام اور سنائی، عطار، قوامی رازی، ابوالمفاخر رازی اور ابن حسام خوسفی کے مشہور اشعار کہ جن میں سے برگزیدہ اور پسندیدہ رجز اور اشعار اس مقالہ حاضر میں جا بجا پیش کئے گئے، شیعی پابند عہد اور ذمہ دار شعراء کی جانب سے ان مضامین اور مفاہیم کے تحقق کے نمایاں مصادیق اور صادق شواہد شمار کئے جاتے ہیں۔

شعر عاشورائی کے اہم ادبی آثار و نتائج

ا۔علوی و حسینی اغراض و مقاصد اور اقدار کا تحفظ و استمرار اور اس کی آئندہ نسلوں تک منتقلی۔

۲۔ کربلا کے جانگسل و دلدوز اور اثر گزار روداد کی منسجم تصویر سازی اور شیعی تاریخی حافظہ میں اس کو ثبت وضبط اور محفوظ کرنا۔

۳۔حماسی (عاشورائی مسلک) شاعری کی تشکیل کی راہ فراہم کرنا جو سنتی مرثیہ کی خصوصیات سے بھی بہرہ مند تھی اور شگفت انگیز اور شور آفرین (جوش وجذبات سے مملو) نوآوری بھی بخوبی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

۴۔ شیعی شعراء کے اشعار میں استقامت ، پائیداری اور ایثار و وفا، فداکاری کی روح پھونکنا اور اس کا شیعوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نفوذ

۵۔ مستقل شیعہ مکتب کی تشکیل میں بنیادی مقام کا حصول اور زبان و ادبیات عرب میں منحصر بہ فرد خاص شعری روش کی تاسیس۔

۶۔دشمن کی پر زرق و برق اور عظیم تبلیغاتی مشینری سے مقابلہ کرنے کے لئے مکتب تشیع کا تبلیغاتی اور ارتباطی نیٹ ورک کا قیام۔

۷۔شاعرانہ نوآوری اور ابداع کے میدان میں ایک ہمیشہ جوش مارتا چشمہ اور مختلف ادوار میں فکری وادبی اور دینی وغیر دینی معلاملات میں ایک جدید و نئی روش کی رہنمائی۔

کتابنامہ

ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ۱۴۱۰ھ، البدایہ والمعارف، بیروت، مکتبۃ المعارف

اصفہانی، اابوالفرج، بی تا، الاغانی، بیروت، دار احیاء التراث العربی

-----بی تا، مقاتل الطالبیین، بیروت، دار المعرفۃ

امین ریاحی، محمد ۱۳۶۷ش، کسائی مروزی، زندگی و شعر او، تہران، امیر کبیر

امینی، عبد الحسین، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء، الغدیر، قم، مرکز الغدیر للدراسات الاسلامیۃ

بلاشر، رژی، ۱۹۸۴ء، تاریخ الادب العربی، ترجمہ ابراہیم کیلانی، دمشق، دار الفکر

بیضون، ابراہیم، ۱۹۷۹ء، ملامح التیارات السیاسیۃ فی القرن الاول الہجری، بیروت، دار النہضۃ العربیہ

حسین، طہ، ۱۹۸۸-۱۹۸۱ء، من تاریخ الادب العربی، بیروت، دار العلم للملایین

حوفی، احمد محمد، ۱۹۷۹ء، ادب السیاسہ فی العصر الاموی، قاہرہ، دار النہضۃ

خزاعی، دعبل بن علی، ۱۹۷۸ء، دیوان شعر، شرح مجید الطراد، بیروت، دار الجیل

خواجوی کرمانی، محمود بن علی، ۱۳۶۹ش، دیوان شعر، بہ اہتمام احمد سہیلی خوانساری، تہران، انتشارات پاژنگ

خوسفی، ابن حسام، ۱۳۶۶ش، دیوان شعر بہ اہتمام احمد احمدی بیرجندی و محمد تقی سالک، تہران، انتشارات ادارہ کل حج و زیارت

دینوری، احمد بن داود، ۱۹۶۰ء، الاخبار الطوال، قاہرہ، دار احیاء الکتب العربیہ

سنائی غزنوی، مجدود بن آدم، ۱۳۴۴ش۔ حدیقۃ الحقیقۃ و طریقۃ الشریعۃ، تہران، علمی

------- ۱۳۸۱ش، دیوان شعر، تہران، مؤسسۂ انتشارات نگاہ

شوشتری، قاضی نور اللہ، ۱۳۷۷ش، مجالس المومنین، تہران، انتشارات اسلامیہ

صاحبکار، ذبیح اللہ، ۱۳۷۹ش، سیری در مرثیہ عاشورائی، تہران، انتشارات عاشور

صفا، ذبیح اللہ، بی تا، مختصری در تاریخ تحول نظم و نثر پارسی، تہران، ابن سینا

------- ۱۳۵۵ش، تاریخ ادبیات در ایران، تہران، امیر کبیر

ضیف شوقی، ۱۹۶۰ء تاریخ الادب العربی، قاہرہ، دار المعارف

طبری، محمد بن جریر، ۱۹۸۸ء، تاریخ الرسل والملوک، بیروت، دار الکتب العلمیہ

عبد الجلیل، متوفی ۱۳۷۴ش، تاریخ ادبیات عرب ترجمہ آذرنوش، تہران، امیر کبیر

فاخوری، حنّا، ۱۳۷۶ش، تاریخ ادبیات زبان عربی، ترجمہ عبد المحمد آیتی، تہران، توس

فردوسی، ابو القاسم، ۱۳۷۷ش، شاہنامہ تحت نظر ا۔ برتلس، تہران، سورہ

فریومدی، ابن یمین، ۱۳۴۴ش، دیوان اشعار، بہ تصحیح حسین علی باستانی راد، تہران، سنائی

قوامی رازی، بدر الدین، ۱۳۷۴ھ، دیوان اشعار، بہ اہتمام جلال الدین محدث ارموی، تہران

قمی، عباس، ۱۴۲۱ھ/۱۳۷۹ش ھ، نفس المہموم، قم، ذوی القربی

کرباسی، محمد صادق محمد، ۱۴۲۱ھ، دایرۃ المعارف الحسینیہ، لندن، المرکز الحسینی للدراسات

گیب، آلکساندر راسکین، ۱۳۶۳ش، درآمدی بر ادبیات عرب، ترجمہ یعقوب آژند، تہران، امیر کبیر

محتشم کاشانی، سید کمال الدین علی، ۱۳۴۴ش، دیوان شعر، بہ اہتمام محمد علی گرگانی، تہران، محمودی

ناصر خسرو، ابو معین، بی تا، دیوان شعر، تہران، سیمای دانش

ولی، شاہ نعمت اللہ، ۱۳۷۳ش، دیوان اشعار، بہ سعی دکتر جواد نوربخش، تہران، نور بخش

یعقوبی، احمد بن اسحاق، بی تا، تاریخ الیعقوبی، قم، مؤسسۂ و نشر فرہنگ اہل بیت